آخرِ شب
کوثر الہ آبادی

کوثر الہ آبادی

انجمن سفینۂ ادب، کراچی

انتساب

مرحوم بیٹے

سیّد فرقان حیدر کے نام

اشاعت اوّل ــــ اپریل ۲۰۱۰ء ــــ تعداد تین سو

طابع: ایجوکیشنل پریس، پاکستان چوک، کراچی

ناشر: انجمن سفینۂ ادب، ۵/۱۷۰۵ شاہ فیصل کالونی، کراچی

(فون نمبر ۳۳۵۷۷۱۴۷)

ہدیہ ایک سو روپے صرف

عنوانِ مرثیہ

ہدایت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱) پروردگار ہی کے لئے ہے ثنا تمام
اس کے کرم سے خلقتِ ارض و سما تمام
اس کی طرف سے سلسلۂ انبیا تمام
ناطق ہے اس کا حکمِ سزاو جزا تمام
سربستہ ایک نور وہ تھا اور کچھ نہ تھا
چمکایا جس نے طور وہ تھا اور کچھ نہ تھا

۲) بخشیں اک اور ذات کو اس نے تجلیاں
دیں جس سے شش جہات کو اس نے تجلیاں
بخشیں دن اور رات کو اس نے تجلیاں
دیں ذات اور صفات کو اس نے تجلیاں
یوں کارخانہ چلنے لگا کائنات کا
محور وہ ذات ہی ہے مگر ممکنات کا

۳) جس کو کیا تھا روزِ ازل رب نے مستنیر
جو آپ لوح و خامہ تھا اور آپ ہی صریر
قرآن آپ، آپ ہی قرآن کا ضمیر
خود نور، خود منار و منور خود ہی منیر
خود دینِ حق بھی دینِ خدا کا رسول بھی
خود آپ راہِ حق پہ کرم کا نزول بھی

۴) انساں فقط ہے مرکزِ تخلیقِ کائنات
انساں میں بھی ہے مرکزِ نوری بس ایک ذات
یہ ذات نور خود میں سمیٹے ہے کل صفات
ممکن نہیں صفات کی کوئی گنے جہات
بس اتنا کہہ سکے کہ وہ نوری حیات ہے
احمد کی ایک میم میں کُل کائنات ہے

۵) کُل کائنات کے لئے رحمت اُس کی ذات
اس کے بغیر زیست کا اک لمحہ بے ثبات
ہے ربط ایک تار کا کیا موت کیا حیات
یہ درمیاں کا ربط ہے وہ ذاتِ خوش صفات
اس ذات سے نجوم و قمر کا نظام ہے
اور حرفِ کُن کو جس سے مُسلسل دوام ہے

۶) تو اُم ہیں کائنات میں یہ رحمت و حیات
رحمت ہے روشنائی تو یہ زندگی دوات
جس سے قلم کو ملتی ہیں رنگوں کی سب صفات
انساں کے سب علوم قلم کے ہیں معجزات

خامے میں اور دوات میں کیا مضمرات ہیں
علم وفن و شعور اسی کی صفات ہیں

۷) میں چاہتا ہوں کھولوں مضامین کے پرت
اور آپ کو دکھاؤں خیالات کی ہنر
پیرانہ سالی سے نہیں ممکن مگر سکت
دو گام کی بھی اب نہیں باقی چلت پھرت

پھر بھی قلم ہے ہاتھ میں عنوان سامنے
ہے مرثیے کا منظر و میدان سامنے

۸) ہے شششِ شعور سے انساں کی ابتدا
انساں اسی شعور سے حیواں سے ہے جُدا
یہ دولتِ شعور ہے خالق کی وہ عطا
جس کے ثمرات میں دنیا کی انتہا
دنیا ہی کیا شعور میں یہ شش جہات ہیں
اس کے عمل کے دائرے میں ممکنات ہیں

۹) خالق کی رحمتوں کی نہ کچھ حد نہ کچھ شمار
جیسے خلا میں کاہکشائیں ہیں بے کنار
صحرا میں جیسے ریت کے ذرے ہیں بے حصار
جیسے زمین پہ رحمتِ بارانِ کردگار
ہم ذکر رحمتوں کا کریں بھی تو کیا کریں
گنتی نہیں ہے اتنی کہ بیٹھے گنا کریں

۱۰) پہلے بشر کے صرف میں دشت وجبل دیئے
جن میں بہار ہو کہ خزاں پھول پھل دیئے
چمپا چنبیلی چاندنی کیوڑا کنول دیئے
جن پہ بہار لانے کو بادل کے دل دیئے
رحمت کی فوج چھاتی ہے ہر دشت وکوہ پہ
ڈنکا بجاتا رہتا ہے رعد اس شکوہ پہ

۱۱) جیسا خدا نے خلق کیا ہے زمین کو
ویسا ہی حسن بخشا ہے ہر اک حسین کو
دریاؤں کو پہاڑوں کے حسنِ حصین کو
پانی کے موتیوں سے بھرے ساتگین کو
ہے پور پور حسن کا جادو بھرا ہوا
جس کو بھی چھولیا وہی سونا کھرا ہوا

۱۲) رحمت یہ ہے کہ بیج سے اُگ آتا ہے شجر
پھر اس شجر میں لگتے ہیں برگ و گل و ثمر
رحمت سمندروں میں بھی کرتی ہے یوں گُذر
پانی کی بوندیں سیپیوں میں بنتی ہیں گہر
دریا پہاڑ دشت ہیں رحمت کی گود میں
بالیدہ سب ہیں اُلفت و رافت کی گود میں

۱۳) ادراک و عقل رحمتِ حق کا جمال ہے
یہ سلب ہو بشر سے تو حیواں مثال ہے
ادراک مثلِ چشمۂ آبِ زلال ہے
جس میں قبولِ رنگ کا ایسا کمال ہے
جیسے جمال خیز ہو رنگت نقاب کی
جیسے دھنک بنائے کرن آفتاب کی

۱۴) ہیں حاسے بھی رحمت خالق کے وہ سروش
دیتے ہیں عقل و ہوش کو جو لذتوں کا جوش
ہر حاسے کی نہر کے مخرج ہیں عقل و ہوش
اور حاسہ سکون کبھی دے کبھی خروش
جو ہوں نہ حسیات تو پتھر ہے آدمی
حسّاس ہو تو فہم کا پیکر ہے آدمی

۱۵) انسان رات دن کے تغیر کا تھا اسیر
اس کی سمجھ کا دائرہ تھا کس قدر حقیر
اس کے خدا تھے مہر منوّر مہِ منیر
دو قوتوں کی قید میں تھے اس کے دل ضمیر
یہ رات دن کا دور تھا اس کی سمجھ سے دور
یہ روشنی کا طور تھا اس کی سمجھ سے دور

۱۶) انسان کے لئے تھی ہر اک چیز بے لگام
ابہام اس کی فکر میں تو سوچ نا تمام
قدرت کے سارے کاموں میں تھا خوف کا مقام
سورج ستارے چاند تھے معبود سب تمام
صدیوں یہ مظہروں کا پجاری بنا رہا
اپنے بھجن کا آپ لکھاری بنا رہا

۱۷) کتنی ہی رحمتوں کے تھے انسان پہ باب بند
کھلتے گئے جو وقت کو ملتی گئی زقند
یہ بھاپ قافلوں کو ملے جس سے وہ سمند
جو ڈالتے ہیں منزل و اکناف پہ کمند
سربند بھاپ میں تھی جو طاقت وہ کھل گئی
سربستہ آب میں تھی جو رحمت وہ کھل گئی

۱۸) طاقت اک اور رکھتا ہے دریاؤں کا بہاؤ
برق آفریں کلوں سے مدارات کا نبھاؤ
راتوں کو دن بنائے جو اس حسن کا سبھاؤ
ہے ذہن و دل میں نت نئی ایجاد کا بناؤ
ہر کل بلوں کی برق کی احسان مند ہے
خود آپ برق کے لئے پانی سند ہے

۱۹) پانی خدا کی رحمت و رافت کی وہ کتاب
اک تازہ حسن رکھنے میں بے حد و بے حساب
سامانِ رزق و پوشش و تہذیب کا شباب
واسب کی تخم کاری و بالیدگی کا باب
پانی نہ ہو تو بندر ہے درحیات کا
کھلے نہ اس طرح یہ قفل ترحیات کا

۲۰) انساں کو عقل و علم سے حق نے کیا بلند
یہ دونوں ہیں سحابِ وددِ کرم پسند
انسان کی انہی سے ہے مریخ پہ کمند
یوں کردیا تسلسلِ رحمت سے بہرہ مند
زینہ یہ علم بنتا ہے افلاک کے لئے
درکھولتا ہے عرش کا اس خاک کے لئے

۲۱) روزِ ازل سے نفس کا انساں رہا غلام
رکھتا رہا عواملِ قدرت پہ اتہام
چلتا تو تھا یہ عقل کے رستے پہ چند گام
کرتا تھا پھر خدا کے قوانین کو سلام
بے راہ چلکے اس کو سدا لطف آتا تھا
پابندیوں کی راہ پہ چلنا نہ بھاتا تھا

۴۲) جب حرفِ کُن نے باغ کھلایا حیات کا
انساں کے گرد سیل اُٹھا مشکلات کا
غاروں نے پھر سہارا بنایا ثبات کا
واں بشر کو وقت ملا فکرِ ذات کا
کیوں جاگتے ہیں سوتے ہیں وہ سوچنے لگا
دن رات کیسے ہوتے ہیں وہ سوچنے لگا

۴۳) سجتی ہے کیسے بزم ستاروں کی رات کو
دیتا ہے کیسے مہر اُجالا حیات کو
موجود کون کرتا ہے نا ممکنات کو
ترتیب کس نے دی ہے حیات و ممات کو
انساں کو کس نے آگ جلانا سکھایا ہے
کس نے بشر کو عقل کا رستہ دکھایا ہے

۲۴) اب آیئے سناؤں میں نبیوں کے واقعات
کیسے خدا نے سب کو دیئے دیں کے معجزات
کیسے شعور و عقل کو دکھلائیں وہ جہات
جن سے بشر پہ کھلنے لگے رازِ کائنات
پہنچی نظر جو کارگہِ ہست و بود تک
آساں ہوئی رسائی خدا کے وجود تک

۲۵) جب ناؤ نوح کی سرِ جودی ٹھہر گئی
تب نوح کی مسافتِ ہستی گزر گئی
اولاد ان کی کوہ کے نیچے اتر گئی
گلّوں سے ان کے ساری چراگاہ بھر گئی
دجلہ کے ساتھ ساتھ یہ اترے عراق تک
میسو پوٹامیہ کے اوطاق و رواق تک

۳۶) پالے تھے دودھ گوشت کی خاطر جو جانور
کھیتوں نے اور شجر نے دیے گندم و ثمر
پہلے بنائے مٹی سے رہنے کو اپنے گھر
مٹی کے ساتھ ساتھ لگانے لگے حجر
گھر ساتھ ساتھ رکھے تو محفوظ ہو گئے
اینٹیں پکا کے اور بھی مضبوط ہو گئے

۳۷) دجلہ فرات دونوں سے سرسبز تھا یہ فلک
زرخیزیوں سے بنتا گیا دل ربا یہ فلک
تعمیر کے جتنوں سے تھا وار بنا یہ فلک
انساں سمجھ رہا تھا کہ ہے اچھا یہ فلک
آبادیاں بڑھی تھیں جو چوپایوں کی طرح
چھاتے رہے زمین پہ یہ سایوں کی طرح

۲۸) بے دین بادشاہوں کا تھا ایک سلسلہ
تاریخ نے نہ جنکا کوئی لکھا تذکرہ
بابل نے کچھ دکھایا تمدّن کا معجزہ
جس میں قدم قدم پہ تھا آویزاں گلکدہ
کچھ فلسفے کی بات نہ حکمت کی بات تھی
کچھ تھی تو بس عبادتِ لات منات تھی

۲۹) تاریخ میں ہے بس حمورابی کی داستاں
ہیں یاں بتوں میں اس کی شباہت کے کچھ نشاں
احکام اس کے ایک منارے سے ہیں عیاں
کچھ نیکیوں کے بس یہی آثار ہیں یہاں
یہ ڈھونڈ تھی کہ شاہ کے احکام چھائے تھے
یا بعد نوحؑ حق کی نبی اور آئے تھے

۳۰) گو نوحؑ نے بنائی تھی کشتی اسی جگہ
کی تھی جہالتوں کی صفائی اسی جگہ
اُبلا زمیں سے قہرِ الٰہی اسی جگہ
پھر بھی اُگی تھی کفر کی جھاڑی اسی جگہ
دوبارہ حام سام کی جب نسل پھر بڑھی
اصنام کے پجاریوں کی فصل پھر پڑھی

۳۱) یہ لوگ کفر و شرک کے سرخیل بن گئے
ظلمت بکھیرتی ہوئی قندیل بن گئے
دنیائے کفر کے لئے تمثیل بن گئے
بُت ان کے مصر و روم کی اِکلیل بن گئے
قبروں کو ملکوں کو یہ یہاں سے پوجتے تھے
لوگوں کے دل میں کفر کا پودا لگاتے تھے

۳۲)
ان کے جنوں کی فارس تک جب گئی جھلک
اس رابطے نے ان کو دکھایا نیا فلک
لیکن یہاں الٰہ کی وحدت کی تھی للک
بادل پہنچ کے اور بھی وہ بن گئی دھنک
معروف کارناموں کا بادل ساتن گیا
احکامِ کردگار کا مینار بن گیا

۳۳) آگے بڑھے جو فارس سے یہ چین کی طرف
کنفیوشس عظیم سے گوہر کا یہ صدف
نیکی کا اک عجیب یہاں بج رہا تھا دف
پوجا تھی بس خدا کی، نہ تھی خدمتِ سلف
شنتوئیت کا دور تھا بس اور کچھ نہ تھا
نیکی کی زندگی کے سوا طور کچھ نہ تھا

۳۴) بابل سے چین تک جو گئے بت خداؤں کے
اس کام میں برسہا برس بیتتے گئے
کتنے ہی خاندان تھے کتنے ہی عہد تھے
بنتے رہے جہان میں نقشے نئے نئے
تاریخ ان کے قدسوں کو ہرگز نہ گن سکی
کچھ دور چل کے ہو گئی عاجز نہ گن سکی

۳۵) اس سب کے بعد بخت نصر کا بجا جو کوس
فوجوں نے اس کی پھونک دیے ملک جیسے پھوس
قیدی بنا کے لائے یہود و عرب، مجوس
حتیٰ کہ وادیوں میں نہ باقی رہے نفوس
احبار عہدنامے چھپاتے رہے تمام
قمران کے پہاڑوں میں رکھتے پھرے تمام

۳۶) تھی بخت نصر قہرِ خدا کی مثال ذات
بنتا گیا عراق غلاموں کی کائنات
لیکن یہ اس کی ذات تھی مجموعہ صفات
محفوظ تھیں خطر سے مکمل سبھی جہات
شہروں کے گرد قلعوں کے پشتے بندھے ہوئے
دریاؤں پر تھے فوجوں کے قریب بسے ہوئے

۳۷) اب آیئے دکھاؤں میں سرسبز کوہسار
شمشاد و سرو و سنبل و ریحان کی قطار
پھر اک طرف ہے لوت سا بے رحم ریگزار
شیراز و اصفہان سے اقطاع بے شمار
قالین باف شہر کا کاشان نام ہے
اس خطۂ جمال کا ایران نام ہے

۳۸) لیکن یہاں بشر کے لئے تھی بس ایک آگ
یہ آگ جو بھگاتی تھی تاریکیوں کے ناگ
اس آگ نے سُنایا بشر کو سکوں کا راگ
پڑتے ہی شام کھیلا تھا مست ہو کے پھاگ
یہ آگ منفرد تھی جو اپنی صفات میں
یہ آگ شیر تک کو بھگاتی تھی رات میں

۳۹) پھر رفتہ رفتہ آگ نے لیں حق کی وہ صفات
جن سے بشر کے دل میں بسیں شرک کی جہات
تب رحمتِ اللہ نے کی فیصلے کی بات
بھیجا اک آدمی کہ دکھائے رہِ نجات
یہ آدمی حکیم و ولی تھا یگانہ تھا
وحدانیت کا اس کے لہو میں ترانہ تھا

۴۰) اس نے کہا کہ قوتیں ہیں دو شریکِ کار
انسان کے گرد باندھے ہیں جو آہنی حصار
یزداں ہے ایک ذات عُلا ذات کردگار
اور اہرمن ہے اس کا مخالف بپے فشار
یزداں جو نیکیوں کی نظامت کا نام ہے
اور اہرمن بدی کی علامت کا نام ہے

۴۱) وحدانیت کے ساز پہ تھا اس ولی کا راگ
پھونکوں سے اس کے بجھنے لگی معبدوں کی آگ
اس کی صدا پہ بیٹھ گیا شرک جیسے جھاگ
اپنے بلوں میں چھپ گئے ابلیسیت کے ناگ
رائج کیا نماز کو خیرات و صوم کو
دیں کی کتاب دے کے گیا اپنی قوم کو

۳۲) اس دین کے اصولوں کو سب نے کیا قبول
مینار پہ لکھے گئے اس دین کے اصول
انساں کے ذہن ودل میں کھلے نیکیوں کے پھول
باغ و بہار بن گئے ملکوں کے ارض وطول
ناامیدیوں نے گھر کیا شیطاں کے قلب میں
نیکی کے باغ کھل گئے انساں کے قلب میں

۳۳) اک اعتدال، صلح ہو یا دشمنوں سے جنگ
یکسانیت ہو سب میں بلا امتیاز رنگ
یکساں ہوں سب لباس ہو یا زندگی کا ڈھنگ
دفنا دو سب زمین میں یہ تیغ یہ تفنگ
ہر رنگ روپ زندگی کا بے مثال ہو
ہر زاویے میں اس کے بڑا اعتدال ہو

۴۴) کچھ دن رہی بشر کی یونہی نیکیوں کی حس
خونِ بشر میں بھر گیا پھر معصیت کا رس
پھر بس میں اہرمن کے ہُوا مزدکِ نحس
تھا جس کے دل میں چہرہ ابلیس منعکس
دیں کے طریق ڈھل گئے پھر ایسے طور میں
جیسے بشر تھا اب بھی بہائم کے دور میں

۴۵) پارینہ عہد بن گیا انسان کا سماج
مزدک کے دل میں اترا تھا شیطان کا مزاج
ماضی کی ایک بات عبادات کا رواج
اب اشتہائے نفس کہ روٹی کی احتیاج
کردیں حلال، ساری جو باتیں حرام تھیں
جو تھیں حرام قابلِ صد احترام تھیں

۳۶) پھر آئی آگ ان کو نظر جیسے دیوتا
کہتے تھے آگ ہوتی ہے جس طرح آتما
آتش کی حمد بن گئی شاعر کا مدعا
کہتا تھا اس کی نظریں ہیں سمتوں سے ماورا
کھائیں رگڑ جو شاخیں تو آتش پھوار دے
رگڑیں جو پتھروں کو تو یکساں شرار دے

۳۷) تہذیب کی یہ اُلٹے قدم تھی جو واپسی
صدیوں کی سعی منصبوں کی رائگاں گئی
ذاتی تھی جیسے عارفوں کی کارکردگی
تھی زندگی کہ جانوروں کی سرشت تھی
انسان مست ہو گئے چوپایوں کی طرح
سارے اصول ڈھلتے گئے سایوں کی طرح

۴۸) پہلے تو آئے ان گھڑے پتھر کے دیوتا
پھر رفتہ رفتہ چھا گئے آذر کے دیوتا
پھر روپ لائے فوج سکندر کے دیوتا
کثرت تھی اتنی ہو گئے گھر گھر کے دیوتا
سب دیوتا جو مصر سے حبشہ سے آئے تھے
عقل و خرد میں سادہ دلوں کے سمائے تھے

۴۹) عیسو پوتا سیہ ہو کہ ایماں کا ارتفاع
برباد ہو رہی تھی معرفت کے سب متاع
خالق کا نام لینے پہ تھا حکمِ امتناع
سب نے کیا تھا معرفت و علم کو وداع
اب وقت تھا کہ رب کوئی ہادی اُتار دے
انساں کو پھر عبادتِ حق کی بہار دے

۵۰) یہ زندگی پکار رہی تھی کہ انقلاب
آئے کچھ اس طرح کہ نکل آئے آفتاب
اُڑ جائے شب پروں کی طرح وقت کا عذاب
برسے کچھ اس طرح کرم وجود کا سحاب
باطل کی ناؤ غرق ہو ایماں چھلک پڑے
بزمِ خرد میں جامِ ہدایت کھنک پڑے

۵۱) اب کھولتا ہوں باب میں انساں کا دوسرا
اب آریوں کے ساتھ چلے پچھلے سب خدا
پتھر بھی دیوتا تو شجر بھی تھے دیوتا
پوجا کی محفلوں میں ہون ساتھ تھا
تھیں معرفت کی باتیں منو کی زبان پر
لیکن عجیب بھٹکی رہیں ہر نشان پر

۵۲) ہندوستاں جو پہنچے تو دیکھا عظیم ملک
مثلِ چمن یہ ملک، بہشتِ نعیم ملک
خالق کی التفات وعطائے کریم ملک
جلوے تمام ہے ارنی کلیم ملک
دریا پہاڑ دشت ودمن سب بہار پر
چھایا ہُوا سحابِ کرم ہر دیار پر

۵۳) پر ذات پات نے جو اُٹھایا تھا اک فساد
مذہب کے ٹھیکیدار بنے اشرف العباد
خدمت گزار قوم بنی ساری بدنہاد
ان جاہلوں کو رکھا ہمیشہ سر کساد
ہتھیار بند جو تھے وہ سب دستِ راست تھے
راجہ جو بن گئے وہی عالی صفات تھے

۵۴) ان میں تو ہمات کا پودا اُگا بڑھا
ٹھوکر بھی لگ گئی تو بشر سوچنے لگا
یعنی سحر کو پیڑ جو دیکھا وہ بد بنا
لیکن غذا جو مل گئی وہ پیڑ نیک تھا
ان چکروں نے راہ سے بھٹکا دیا اُسے
رستہ صریح شرک کا دکھلا دیا اُسے

۵۵) میسو پوٹامیہ سے چلے تھے جب آریا
اللہ کی سُنی تھی براہیم سے ثنا
ان کے شعور میں یہ براہیم لفظ تھا
برسوں کے بعد بھی نہ یہ دھندلا کبھی ہوا
تو بحر کے آریوں کو جو راہ بتا ملی
ذاتِ براہما کو ہمالہ پہ جا ملی

۵۶) ہے یہ براہما کا تعقل کہ معجزا
ان کی جٹا کو کہتے ہیں منبع یہ آریا
گنگ و براہمپتر کی ان سے ہے ابتدا
ہے ہند جن کے فیض سے سرسبز و دل ربا
ہے یہ براہما جو براہمن کی طرح
ہے کوہ کی جبیں پہ یہ دیہم کی طرح

۵۷) تھے آریوں کے ساتھ بتوں کے تصورات
ان کے بتوں میں نیکی بدی کے تھے مظہرات
تھے لکشمی کے ساتھ ہی درگا کے معجزات
کالی لیے ہوئے تھی بدی کے مضرات
کالی نے ان کو عقل کا اندھا بنا دیا
پوجا نے اس کی خوف کا بندا بنا دیا

۵۸) دیوی وہ فن کی اور وہی ناٹک کی منڈلی
بھارت میں کیسے پہنچیں صنمیات روم کی
اس کا جواب دے نہ سکا کوئی عبقری
سلجھا سکا نہ گتھی کوئی بڈّیا پتی
رقصِ درودان کا اگرچہ یگانہ تھا
لیکن تمام شرک کا یہ کارخانہ تھا

۵۹) یہ کارخانہ شرک کا اطوار جس کے بد
سارا نظامِ جبر نہ تھی کوئی جس کی حد
عادی تھے اس قدر کہ نہ کرتا تھا کوئی رد
مظلوم چاہتا ہی نہ تھا غیر کی مدد
آوا گون تھا سارا غریبوں کے واسطے
دولت کے ڈھیر اچھے نصیبوں کے واسطے

۶۰) دیویوں دیوتاؤں کا اک سلسلہ طویل
یہ خود کو اُن کا قیدی سمجھتے تھے بے دلیل
انساں کے ہر عمل میں رہے دیوتا دخیل
یہ دیوتا جو بگڑیں تو کردیں انہیں ذلیل
بن جائے کام جب تو ہیں فیاض دیوتا
بگڑے جو کوئی کام تو ناراض دیوتا

۶۱) کالی تھی اہرمن کی طرح اس زمین پہ
پنجے سے جس کے چھوٹ نہ پائے کبھی بشر
امراض اس کے ساتھ تھے آفات اس کا گھر
امراض اس کے ساتھ تھے آفات اس کا گھر
کیا کیا نہ اس کے واسطے منتر پڑھے گئے
اس کی رضا کے واسطے جنتر گڑھے گئے

۴۲) اس شرک پر بھی کتنا تھا ذاتوں کا اژدحام
گھٹتا رہا بشر کا زمانے میں احترام
کس درجہ ہولناک ہے ذلت کا یہ مقام
ہو ذہن برتر آقا سے پھر بھی رہے غلام
سب ملک برہمن کی ہے چھتری و ویش کی
لے اور قمار بس یہی صورت ہے عیش کی

۴۳) بخشی گئی اچھوت کو ایسی بخیلی
پاکیزگی تھی اس کے لئے جیسے گندگی
اس کو غذا سے تھی جو غرض بس شکم پُری
بازاری سگ کی مثل بنی اس کی زندگی
خواہش کسی بہانے سے موت آئے بھائی کی
تا کہ غذا بچی ہوئی مل جائے بھائی کی

۶۴) آپس کی جنگ ملک کی خاطر ٹھنی رہی
ان کے سروں پہ جنگ کی بدلی تنی رہی
کورو میں اور پانڈو میں دوری بنی رہی
دو بھائیوں پہ کانٹوں کی جھاڑی گھنی رہی
مُرلی کرشن جی کی بجا کی سپاہ میں
ہولی لہو کی ہوتی رہی رزم گاہ میں

۶۵) جب اس نہج پہ آگئی انسان کی سرشت
انسان کاٹنے لگا خود ہی سروں کی کشت
دوزخ میں آپ جلنے لگے ہند کی بہشت
انساں کے دل سے محو ہوا فرقِ خوب و زشت
تب گود سے ہمالہ کی اک دل ستاں اُٹھا
ویراں چمن میں لے کے علاجِ خزاں اُٹھا

۶۶) وہ شاہزادہ نام سدھارتھ تو دل کنول
اس کے لئے تھے قصر و چمن، سُکھ کے پھول پھل
وہ جانتا نہ تھا کہ یہ دُنیا ہے وہ محل
جس میں گُلوں کے ساتھ ہیں کانٹے بھی جاں گُسل
بیماریاں ہیں بھوک ہے افلاس و مرگ ہے
کٹھنائیاں اٹھائیں تو آخر سورگ ہے

۶۷) یہ شاہزادہ ایسا تھا معصوم و حق پرست
جس نے نہ دیکھا تھا کبھی دُنیا کا بندوبست
تھے اجنبی کدا گر وشاہ و بلند و پست
رکھا گیا تھا قصر کی آسائشوں میں مست
اس کے دماغ و دل پہ ملمع تھا عیش کا
آوازہ سُن سکا نہ کبھی خون وطیش کا

۶۸) لیکن پدر کی لاکھ تمنا کے باوجود
اس سے الجھ گیا غمِ ہستی کا تاروپود
وہ پوچھتا تھا سب سے علاجِ نبودوبود
جب مل سکا نہ اس کو علاجِ غمِ وجود
وہ سلطنت کو قصر کو تج کر چلا گیا
ملبوسِ فقر جسم پہ سج کر چلا گیا

۶۹) اس کو دیا معلّمِ قدرت نے وہ سبق
جس نے بتایا سہل جو مضمون تھا ادق
حق نے دیا صحیفہ نہ اس کا کوئی ورق
بخشی دماغ و دل کو مگر نور کی رمق
اس نور کی رمق نے وہ جلوہ دکھا دیا
دل کی کتاب کھول کے ہادی بنا دیا

۷۰) گوتم جو شاہزادہ تھا اب بن گیا مُنی
تعلیم اس کی دیتی تھی سب کو برابری
دی شودر اور اچھوت کو سب کو خدا رسی
تعلیم رفتہ رفتہ بھی عام ہو گئی
لیکن براہمن نے اُسے گھیر کر رکھا
شودر اور اچھوت بڑھ نہ سکے زیر کر رکھا

۷۱) بدھ مت کا لیکن ایک بشر بن گیا مُعیں
صد درجہ جس کو بدھ کے اصولوں پہ تھا یقیں
وہ چاہتا تھا سب کی بنے زندگی حسیں
وہ چاہتا تھا اب نہ رہے کوئی بھی حزیں
وہ تھا اشوک ناز تھا جس کو یقین پہ
عظمت کا تاج سج گیا جس کی جبین پہ

۷۲) پاکیزگی کا چاہتا تھا دینا وہ پیام
پاکیزہ گفتگو کرو پاکیزہ ہو سلام
پاکیزہ طور، پاک عمل، پاک ہو طعام
پاکیزہ ذہن، پاک ارادہ و انتظام
اس طرح جب مزاج میں پاکیزگی رہے
پاکیزہ تب دکھوں سے تری زندگی رہے

۷۳) بدھ مت کو ارضِ ہند میں پہلے ملا فراغ
پر تھا برہمنوں کے یہ سینوں پہ مثلِ داغ
اس کا انہوں نے گھل کے نہ جلنے دیا چراغ
اڑنے لگے دھویں کی طرح انکے دل دماغ
تھے جو سدا سے ان کے اثر میں اچھوت لوگ
چھپنے لگے ابد کے سفر میں اچھوت لوگ

۷۴) بخشا تھا گو منو نے تصور اِلٰہ کا
لیکن تھا شوق دل میں گُرو کے جو جاہ کا
اپنے لئے اکٹھا کیا دَل سپاہ کا
پگڑی جو سر پہ تھی وہ بنی تاج شاہ کا
چوکھٹ پہ اپنی بوسہ دلایا ہر ایک سے
بھگوان بنکے سجدہ کرایا ہر ایک سے

۷۵) رامائن لکھی جتنے بھی کردار اس میں آئے
ان ہندیوں نے سب کے ہمیشہ ہی بُت بنائے
انسان تھے یہ آگے مگر ان کے سر جھکائے
دل میں بھی عقیدت حیواں جو تھے بسائے
واقف نہ تھے کہ شرک ہے تلبیس ذات سے
بھگوان مثل رکھتا نہیں ممکنات سے

۷۶) تھا سلسلہ جو رشیوں کا منیوں کا وید کا
سب نے بشر کو عادی کیا دیں کی قید کا
ازبر براہمن کو جو منتر تھا کید کا
عادی بنادیا قوم کو ذلت کی قید کا
ہندی نہ ڈھونڈ سکتے تھے رستہ قرار کا
مقسوم میں نہ ان کے تھا لمحہ قرار کا

۷۷) قانون نرم زندگی میں ہر جگہ رکھے
میخواری و قمار کے عادی سبھی رہے
عصمت تھی عورتوں کی فقط راج کیلئے
رقص و سرود عام کیا بے حیائی نے
تیغ و کمان و تیر نگوں سار ہو گئے
ڈاکو جو تھے وہ صاحب کردار ہو گئے

۷۸) تھے مرد جنگ نامہ بھارت کے سب کوی
تھا لکھنے والا رام کے قصے کا مرد ہی
اب یہ کہاں سے آگئی نسوانیت کی نی
نسوانیت کے لہجے میں ہے ساری شاعری
دوہا ہے دادرا ہے کہ ٹھمری کے ڈول ہیں
عورت ہی کی زبان میں ان سب کے بول ہیں

۷۹) سب سے بڑا جو ظلم ہُوا اس دیار میں
رکھا سبھوں کو بند جہالت کے غار میں
تھا یہ برہمنوں کا اصول اس دیار میں
آنے نہ پائے شودر ہماری قطار میں
شودروں پہ بند در تھا یہاں پاٹھ شالے کا
اس کو نہ کوئلا بھی ملا اس جوالے کا

۸) سُن لے جو ایک لفظ بھی کم ذات وید کا
پھر تو تھی انتہا نہ کوئی جو بھی ہو سزا
کانوں میں اس کے پگھلا ہُوا سیسا ڈالنا
یا لوہا گرم کر کے بدن سارا داغنا
مذہب کھلونا جیسے تھا بچے کے ہاتھ میں
قانون کھنچا پھرتا تھا پنڈت کے ساتھ میں

) اس نہج پہ جو پہنچا یہ سارا معاشرہ
اللہ اپنے دین کا لے آیا قافلہ
وحدانیت اور اس کے فوائد کا معجزہ
انصاف اور عدل و محبت کا راستہ
وہ راستہ کہ جس پہ کرم کا نزول ہے
رہرو کا کام رب کی رضا کا حصول ہے

۸۲) اب آیئے پلٹتا ہوں تصویر کا ورق
انسان پڑھ رہا تھا جہاں زیست کا سبق
آسان کر رہا تھا وہ پیرایۂ ادق
وحشی بشر میں آئی تھی تہذیب کی رمق
تہذیب: علم و عقل و فراست کا نام ہے
کمزور و ناتواں پہ سیادت کا نام ہے

۸۳) صدیوں سے تھی یہ نیل کی وادی ہری بھری
دجلہ فرات، گنگ وجمن کی طرح ہری
تھی اس کے مرغزاروں میں قدرت کی دلبری
جلووں میں اس کے بجتی تھی تہذیب کی پری
ان مصریوں کو اپنی شجاعت پہ ناز تھا
ان کے فرس کا سینہ بھی ہیبت طراز تھا

۸۴) لازم تھی مصریوں کے لئے دوسروں سے جنگ
کھانے نہ پائیں نیزہ و شمشیران کی زنگ
بجتے رہیں سروں پہ پڑوسی کے بوق و چنگ
اُٹھتی رہے لہو میں سدا جنگ کی ترنگ
ان کا فرس ہو جنگ کا میداں ہو تیغ ہو
بارش لہو کی دشت میں ہو بے دریغ ہو

۸۵) جب شاہ ان کا کرتا تھا اس دہر سے سفر
زیرِ زمیں بناتے تھے یہ اس کا مستقر
اس کا تمام تاج و سریرِ زر و گہر
رکھدیتے تھے قرینے سے انبارِ سیم وزر
کہتے تھے شاہ اُٹھے گا جب خوابِ مرگ سے
یہ کام لے گا پھر سے اسی سازوبرگ سے

۸۶) جب بادشاہ دوسرا ہوتا تھا نصب تخت
وہ چاہتا تھا کرنا نہتا شہی کا رخت
کرتا تھا زیست دوسروں کی انتہائی سخت
ہوتا تھا رزم گاہ میں یوں تصفیۂ بخت
سب تاج و تخت جنگ کا تاوان بنتا تھا
غولِ غلام جیت کا سامان بنتا تھا

۸۷) آتے تھے لیے مصر میں دولت وہ بے حساب
تھمرت حسیں کنیزوں کے مثلِ گل و گلاب
ایسے غلام جنگی جتھا جنگی لاجواب
بنتا تھا مصران سے زمانے میں انتخاب
یہ تھا نیا دیار سجانے کے واسطے
قصر و منار وقلعہ بنانے کے واسطے

۸۸) یہ شاہ رودِ نیل کے بنتے تھے خود خدا
کہتے تھے ہم سے مصر ہے سرسبز و دل رُبا
دیتے ہیں ہم ہی پانی کو طاقت کا معجزا
پانی میں مٹی گھول کے دیتے ہیں ہم بہا
ہم چاہیں جب یہ باغ و زراعت اُجاڑ دیں
ہم چاہیں تو زمین کی چھاتی کو پھاڑ دیں

۸۹) ہے مصر کی زمین پہ ہم کو وہ اختیار
ہم چاہیں تو خزاں دیں جو ہم چاہیں تو بہار
ہم چاہیں خشک کردیں یہ گلزار سادیار
کہہ دیں تو ہر قدم پہ بہے نیل آبشار
بل لیتے ہیں ہم آپ گلے خود قضا کے ساتھ
پھر اٹھیں تا کہ جسم پہ رنجِ بقا کے ساتھ

۹۰) کہتے تھے بعدِ موت ملے گا ہمیں ثبات
لیکن نہ ان کے ذہن میں تھا مالکِ حیات
روزِ حساب و جنت و دوزخ کی کائنات
ان کے لئے تھے بس اسی دنیا کے ممکنات
وادیٔ نیل، قصرِ شہ و شہر کے لئے
اہرام تھے ہمیشگیٔ دہر کے لئے

۹۱) ہیں ظلم کا نمونہ یہ اہرام مصر کے
کتنے ہی لوگ پتھروں کے نیچے پس گئے
پتھر جو مثلِ کوہ منوں وزن رکھتے تھے
اوپر غلام اُٹھاتے تھے کس کس طریقے سے
معمار زاویوں کا سلیقہ دکھاتے تھے
لیکن صلہ نہ اپنی مشقت کا پاتے تھے

۹۲) بے مُزد تھی غلاموں کی آئی ہوئی جوڑار
اور سامنے تھے وادیٔ سینا کے کوہسار
شکلیں بتوں کے واسطے موزوں تھا یہ دیار
کٹتی چٹانیں بنتے تھے اصنام شاہکار
گو تھا یہ ایک وضع کی تہذیب کے لئے
لیکن یہ بُت تھے شرک کی ترغیب کے لئے

۹۳) اعراق میں نصیب نہ تھے پتھروں کے دل
اس واسطے تھے مٹی کے بُت مٹی کے محل
اینٹوں کو بھٹیوں میں پکانے کا تھا عمل
اینٹوں کے ساتھ پکتے رہے لات اور ہُبل
لیکن یہ مصر پتھروں سے مالا مال تھا
شکلیں بتوں میں فن کا جمال و کمال تھا

۹۴) بنتے تھے حکمِ شاہ سے دو منزلہ جو گھر
اوپر کے گھر میں رکھتے تھے ترشے ہوئے حجر
اونچائی پہ جہاں نہ ہو سیلاب کا گزر
پھر ان بتوں پہ چڑھتا تھا ہر سال سیم وزر
زرخیز مٹی چھوڑ کے جب نیل اترتا تھا
سونے کے زیورات سے یہ بُت سنورتا تھا

۹۵) سارہ کو لے کے مصر میں آئے تو تھے خلیلؑ
لیکن انھیں لبھا نہ سکا آبِ رودِ نیل
پیغمبرانہ باتیں تھیں ان کی بہت جلیل
بخشی تھی ان کو شاہ نے عورت حسیں جمیل
کچھ دن ہی گزرے تھے براہیمؑ مصر میں
تہذیب توڑ کر گئے تجسیم مصر میں

۹۶) اہرام بنتا بند ہوئے بن گئیں قبور
قبریں نہ تھیں مگر، تھے محلات اور قصور
ان کے دماغ سے نہ ہٹا پھر بھی یہ فتور
دوبارہ زندگی میں شہی پائیں گے ضرور
ان کا نشورِ روزِ سزا و جزا نہ تھا
اُس دن کے بادشاہ وہ خود تھے خدا نہ تھا

۹۷) یوسف جب آئے اپنا قبیلہ بُلا لیا
گلشن کا صوبہ نسل سے اپنی بسالیا
جب قبطیوں نے ان کو گلے سے لگالیا
توحید کا عقیدہ بھی اپنا بنالیا
لیکن یہ نسل چلتی رہی اپنی راہ پر
قبطی پلٹ کے آتے رہے حکم شاہ پر

۹۸) آتے رہے غلاموں کے ریوڑ سدا یہاں
بستی رہیں غلاموں کی قوت سے بستیاں
ان کے دیار و گنج میں آتی نہ تھی خزاں
زرخیز یہ زمیں تھی تو زرپاش آسماں
یوسفؑ کے بعد نسل براہیمؑ خوار تھی
باوصفِ حُسن و علم یہ زار و نزار تھی

۹۹) افریقیوں کی قوم تھی ادبار سے نڈھال
اور شل ہوئی تھی عقل، یہ تھا سحر کا وبال
شیطان کس رہا تھا مسلسل خود اپنا جال
اس طرح شرک دے رہا تھا ہوش کو زوال
فصلیں جو مشرکین کی تیار ہوگئیں
باتیں نبیؑ کے بیٹوں کی بیکار ہوگئیں

۱۰۰) کتنا ہی کوئی قوم بنے مجمعِ جہول
اللہ دیتا رہتا ہے ان کی بقا کو طول
لیکن نہیں یہ شرک کسی حال میں قبول
اللہ بھیجتا ہے وہاں ہادی و رسول
حق نے یہ اہتمام کیا مصر کے لئے
موسیٰ کو احتشام دیا مصر کے لئے

۱۰۱) فرعون کو وہ دیتے رہے دعوتِ مقال
لیکن خود اپنی قوم کو وہ لے گئے نکال
پھیلا تھا سارے مصر میں جو شیطنت کا جال
فرعون یہ نہ سمجھا کہ بچنا ہے اب محال
سارا طلسم ڈوب گیا رودِ نیل میں
جادو چلا نہ کوئی بھی رب کی دلیل میں

۱۰۲) یوشعؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ سے نبی
تھے سب کے سب بشر کی ہدایت کے منتخبی
لیکن نہ کی قبول کسی نے یہ رہ بری
حیثیت تھی کہیں تو کہیں بُت کی بندگی
قبطی نہ رہنا چاہتے تھے رب کے راج میں
طور و طریق شرک تھا ان کے مزاج میں

۱۰۳) تھا جو غلاموں اور کنیزوں کا کاروبار
ان میں نمایاں ہوتے تھے سب ملک سب دیار
یورپ کے لوگوں کی بھی یہاں ہوتی تھی قطار
ہوتے تھے ان کے پاس جو بت تھے وہ باوقار
یونان نے یہ مریمؑ و عیسیٰؑ بنائے تھے
گردن میں جو صلیب کی مالا سجائے تھے

۱۰۴) مریم کی پیاری شکل جو آئی تھی اس طرح
عزِ قبول مصر میں پائی تھی اس طرح
عیسائیت جو مصر پہ چھائی تھی اس طرح
تثلیث کی تمام خدائی تھی اس طرح
کچھ مصر والے رب کے تمنائی ہو گئے
اپنے بتوں کو چھوڑ کے عیسائی ہو گئے

۱۰۵) آئے تھے کچھ اطالوی لوگوں میں پادری
ان سے امیرزادوں نے آ آ کے بات کی
اس طرح بات شاہ کے کانوں تک گئی
اس کو بھی اس عقیدے کی کچھ آگہی ملی
یوں دھیرے دھیرے ملک یہ عیسائی ہو گیا
مریم کا اور مسیح کا شیدائی ہو گیا

۱۰۶) پھر بھی نہ عام لوگوں کا بدلا ذرا بھی حال
گردن پہ ان کی بن گئی عیسائیت وبال
عیسائیت سے کم نہ ہوا شاہ کا جلال
وادیٔ نیل بنتی رہی محورِ جمال
دولت سمٹ کے آتی رہی قصرِ شاہ میں
پہ جبر تھا غلام کے بختِ سیاہ میں

۱۰۷) اٹلی میں دینِ حضرت عیسیٰؑ جو کچھ بڑھا
ان پہ عذاب و قہر کا دریا اُبل پڑا
نیرو نے شہرِ روم کو شعلہ فشاں کیا
اور ان پہ اس تباہی کا الزام رکھدیا
یوں بے دریغ قتل ہوئے پیروانِ دیں
عیسائیوں کا خون میں ڈوبا نشانِ دیں

۱۰۸) ادبی کتب بھی آئی تھیں عیسائیوں کے ساتھ
جن میں تھیں دیومالا کی ساری توہمات
رومی بھی لے کے آئے تھے اٹلی کی کاہنات
سیزر اور اس کی فوج کو کچھ دن ملا ثبات
اتنے دنوں میں مصر کی دنیا پلٹ گئی
دیں کی متاع ان نئے قصوں میں بٹ گئی

۱۰۹) یہ ابتدا تھی ایک تغیر کی مقتضی
کردے جو پل میں زیر و زبر ساری زندگی
گرنے لگے جو ٹوٹ کے تہذیب کی لڑی
ایسے میں فتح پاتا ہے کردار کا دھنی
گلزار اس کا کھلتا ہے دوشِ بہار پر
کردار گھومتا ہے یقیں کے مدار پر

۱۱۰) اب آیئے دکھاؤں میں اس ملک کا سماں
آئی تھیں جس جگہ سے فنوں کی سیاہیاں
اٹلی میں اس صدی میں جو اُسقف تھا حکمراں
وہ تھا بزعمِ خویش دلوں کا نگاہباں
اس حکمراں کے قبضے میں تھے ملک و دیں بھی
تھے اس کے ذمے لوگوں کے حلف و یقیں بھی

۱۱۱) بنیاد پڑ چکی تھی یہاں اُن فنون کی
جن سے عروج پاتا رہا فن بت گری
وہ میکل انجلو ہو کہ سوتا کا ڈاونچی
یہ سب اسی زمین سے بنتی رہی لڑی
دیوار و در کلیسا کے سجتے رہے سدا
ارژنگ نقش کنیسہ اسقف بنے سدا

۱۱۲) نقش و نگار بنتے رہے فن کے نام پر
عیسیٰ کی پینٹنگز سجیں قصر و بام پر
تھا زور انتہا کا بس ان کے طعام پر
بیٹھا ہوا تھا کون کہاں کس مقام پر
ان میں تھی مگدلینی بھی مریم کے ساتھ ساتھ
نامحرموں کا غول تھا محرم کے ساتھ ساتھ

۱۱۳) ہم مسلموں کے دل میں ہے عصمت کا جو خیال
وہ حُسنِ فکر و فعل وہ کردار کا جمال
وہ راستی، حفاظتِ گویائی و مقال
وہ آشتیٔ گوش و نظر، فطرت و خصال
ذہنوں میں یہ تصورِ عصمت کہیں نہ تھا
نقاشوں میں یہ ظرفِ شرافت کہیں نہ تھا

۱۱۴) عیسائیت کا بیج یہاں آ کے جب اُگا
رستہ نکالا اُن پہ نئے ظلم و جبر کا
الزام جادو کرنے کا ان سب پہ رکھ دیا
جسکے لئے ثبوت نہ کوئی ضروری تھا
طرّہ یہ مگر کہ یہ خود کو چھپاتے ہیں
یہ پاک باز خود کو ہمیشہ بتاتے ہیں

۱۱۵) عیسیٰ کے خطبے اصلی کسی طور جو گئے
تالیف اسقفوں نے کئے اپنی عقل سے
ہر اک کی کلیات بنی اپنے طور سے
یوں ان میں گومگو کے انبار لگ گئے
ہر ایک اپنے نسخے کو شہکار کہتا تھا
تعلیم عیسوی کا چمن زار کہتا تھا

۱۱۶) عیسائیت کے روم میں جب پاؤں جم گئے
یونان اور مصر میں ان کے قدم گئے
لوگوں کے دل سے بعل کے عکس صنم گئے
ان کی جگہ مسیح کے بت آ کے جم گئے
تصویر کے جمال نے وہ کام کر دیا
تثلیث کا شرک عقیدے میں بھر دیا

۱۱۷) بت تھے خدا تو دیوتا تھے سب شجر حجر
مصری عراقی کہتے تھے اصل ہے اس کا گھر
رکھتا تھا اصل شرک کا اہرام مصر پر
وہ طرفہ تہمتوں کا مسلسل رہا سفر
یونان کے حکیموں کا گو یہ غلام تھا
لیکن بتوں کا مصر کے سر اتہام تھا

۱۱۸) یونان کو جو ناز رہا اپنے علم پر
ہوتا رہا ارسطو تلک علم کا سفر
لیکن یہ فلسفہ کہ رہا دیں سے بے بصر
تعلیمِ عیسوی سے رہے سب ہی دور تر
یہ لا نہ پائے دین پہ دنیا کے شاہ کو
کرتا رہا وہ مسخ سپیدو سیاہ کو

۱۱۹) یہ فلسفے کے علم سے انساں نہ بن سکے
کھوئی تھی عقل صاحبِ وجداں نہ بن سکے
شیطان تھے تو بندہ یزداں نہ بن سکے
تھے تو حسیں پر حُسن کے شایاں نہ بن سکے
عیسیٰ کی پیروی ہی نہ کی خبثِ قلب تھا
ہر آدمی مزاج میں خنزیر و کلب تھا

۱۴۰) وہ ٹیکسلا وہ مرکزِ وماوئی برائی کا
سو سال قبلِ عیسیٰ یہ اٹلی کا شہر تھا
اس شہر میں ہوئی جو گناہوں کی انتہا
آتش فشاں پہاڑ کو حکمِ خدا ہوا
اس شہر کو عذابِ الٰہی سے ڈھانپ دے
صدیوں رہے جو ایسی سیاہی سے ڈھانپ دے

۱۴۱) جب چھپ گیا تھا سخت اندھیرے میں سب جہاں
جب گم ہوا تھا قلب سے توحید کا نشاں
جب جل چکا تھا عیسیٰ مریم کا گلستاں
جب شرک و کفر و ریب تھے ذہنوں پہ حکمراں
تھا اک دبیز ابر میں عالم چھپا ہوا
چشم و دماغ و دل پہ تھا لاوا گرا ہوا

۱۲۲) ایسے میں تمتمانے لگا آسمانِ شرق
تاریکیوں کی ناؤ ہو جیسے قریبِ غرق
دامن میں ظلمتوں کے تڑپتی ہو جیسے برق
جیسے ابھارنے کو ہو خورشید اپنا فرق
ناگاہ پھڑ پھڑانے لگی رات کی ردا
کڑکا ہوا تو پھٹ گئی ظلمات کی ردا

۱۲۳) روشن بدیعِ کُن نے وہ فانوس پھر کیا
موسیٰ کے عہد سے اسے مانوس پھر کیا
فاراں کے قلب نے وہی محسوس پھر کیا
دیوارودر میں غلغلۂ کوس پھر کیا
پھر جگمگائی شمعِ ہدایت فضاؤں میں
وحدت گلال اڑانے لگی پھر ہواؤں میں

۱۴۴) وادیٔ طور بننے کو تھی وادیٔ حِرا
پھر جھوما رہی تھی مُسلسل یہاں فضا
خوشبو بدوش رقص میں تھی ہر طرف صبا
اِٹھلا رہی تھی ناز و ادا سے بھری ہوا
بجنے کو تھی جو بزمِ حرا کے رواق میں
قندیلِ نور رکھی تھی ذرّوں کے طاق میں

۱۴۵) اب تک رہا جو چُپ یہ وہ قلبِ صبور تھا
اب یہ حرا حرا ہی نہ تھا فخرِ طور تھا
ذرّوں کے دل میں ماہ و فلک کا غرور تھا
نبیوں کے سر پہ تاج تھا جس کا وہ نور تھا
دھڑکن تھی دل میں نور تھا پردہ کیے ہوئے
چاروں طرف فرشتے تھے حلقہ کیے ہوئے

۱۲۶) اترے رسولؐ کوہ سے کنزِ خدا لیے
اقوامِ دہر کے لئے جامِ بقا لیے
بیمار نفس کو تھے نویدِ شفا لیے
تہذیب کے بدن کی مکمل قبا لیے
ان کے نگاہ و قلب میں آبِ حیات تھا
ان کے قدم میں کوہ کا محکم ثبات تھا

۱۲۷) جیسے حرا سے نور کا دریا تھا موجزن
پُر نور جس سے ہونے کو تھے باطن و بدن
پست و بلند، کوہ و دمن، وادی و چمن
بنتا تھا سارے دہر کو جس کے لئے وطن
جاتی تھی سارے دہر کی محفل تلک چمک
مکے سے کاشغر کے سواحل تلک چمک

۱۲۸) ایسی چمک جو بھر دے اُجالا حیات میں
دائم شفق کا نور رہے شش جہات میں
مضمر کرے اُدھر خالق صفات میں
آئے نہ کوئی عکس موحِّد کی ذات میں
ابلیس کے حصار میں شیطانیت رہے
انسان کے مزاج میں انسانیت رہے

۱۲۹) آئے رسولؐ نور کا پیکر لیے ہوئے
ہاتھوں پہ اک چراغِ منور لیے ہوئے
دنیائے آب و گِل کا مقدر لیے ہوئے
کشتی کائنات کا لنگر لیے ہوئے
جن پر بشر کی راہ نمائی کا بوجھ تھا
کاندھوں پہ جیسے ساری خدائی کا بوجھ تھا

۱۳۰) ان کے کلام میں تھا فصاحت کا وہ چراغ
جس نے بڑے فصیحوں کے شل کر دیے دماغ
بولیں تو یہ کھلانے لگیں موعظت کے باغ
کلیاں کلامِ نرم کی گلہائے ابلاغ
دل میں اترتا جائے یہ خوبی کلام کی
آنکھیں جھکاتی جائے کشش احترام کی

۱۳۱) خالق نے ان کو بخشا تھا وہ عزّ و احترام
رستہ چلیں تو پیڑوں کی شاخیں کریں سلام
جاہ و حشم سجانے کا تھا حق کا انتظام
پتھر بھی ان کے ہاتھوں پہ آ کر کریں کلام
ان کو ملا تھا ایسا تصرّف جہان پر
ہے فرض وردِ صلّی علیٰ ہر زبان پر

۱۳۲) کعبہ تمام تب حرمِ حق نما بنا
مرکز میں یہ جب آئے تو یہ دائرہ بنا
ان کے کرم کی کرنوں سے نقش بنا بنا
حق کی معرفت کے لئے سلسلہ بنا
روشن کتابِ حق کے ورق جس نے کر دیئے
آسان معرفت کے سبق جس نے کر دیئے

۱۳۳) خالق کی معرفت کا وسیلہ تھی ان کی ذات
انساں نے ان کے لب سے سُنیں حق کی ساری بات
یہ روز و شب، بہار و خزاں، گردشِ ثبات
ممکن ہُوا بشر کے لئے فہمِ کائنات
قرآن نے وہ گتھیاں کھولیں حیات کی
ہم نردبان پاتے گئے حق کی ذات کی

۱۳۴) سینے سے دور دور شعاعیں بکھر گئیں
بے سمت شاخیں ظلم وستم کی کتر گئیں
تہذیب وعقل وہوش کی زلفیں سنور گئیں
آبادیاں یقین کی دولت سے بھر گئیں
کفر و نفاق وریب کے قریے اجڑ گئے
صدیوں کی دشمنی کے جمے پیڑ اکھڑ گئے

۱۳۵) اسلام رفتہ رفتہ جو چھایا ہر اک طرف
مکہ ہی کیا بتوں کو گرایا ہر اک طرف
معدوم کرکے کفر کا سایا ہر اک طرف
توحید کا چراغ جلایا ہر اک طرف
توحید کی اذانوں سے اطراف گونج اٹھے
بالا و پست ملکوں کے اکناف گونج اٹھے

۱۳۶) ہونے لگیں اذانیں کلیسا کے بام پہ
سارے فصیح گنگ تھے حق کے کلام پہ
اٹھی جو تیغ جنگ میں خالق کے نام پہ
تیار کفر جیسے تھا خود انہدام پہ
یہ انہدامِ کفر نہ تھا، مکروزور تھا
ورنہ قبولِ دینِ خدا دل سے دور تھا

۱۳۷) ان کی نظر میں دین تھا تزویر کا وہ دام
رکھتا تھا جو خرد کے لئے سحر کا پیام
جس سے ملا تھا ہاشمیوں کو اک احتشام
لیکن قبیلے دوسرے گویا بنے غلام
ان کی نظر میں کھیل تھا یہ عزّوجاہ کا
آغاز ہورہا تھا حکومت کی چاہ کا

۱۳۸) وہ مرکزِ دمشق جہاں بجھ رہی تھی آگ
آتش کدہ بُجھا تو بہادیئے سینے کا گ
پھر گایا سینٹ پال نے اپنا وہیں پہ راگ
پھر ایک بددماغ نے بوتل کا کھولا کاگ
دیں کو بُھلا کے دولتِ دُنیا کے عشق میں
شاہی کا زہر بودیا خاکِ دمشق میں

۱۳۹) دُنیا کی بادشاہی تو تھی پاؤں کے تلے
خواہش کہ اس کا حکم شریعت میں بھی چلے
ہو اس کا نام دیں میں بھی ایسا درم ڈھلے
دیں کا امام بیعت سے پنکھا اُسے جھلے
تھا خونِ کفر و شرک جو شاہِ دمشق میں
ہر ظلم چھوٹی بات تھی دُنیا کے عشق میں

۱۴۰) تب اس کی فہمِ خام نے دیکھا سوئے حسینؑ
بیٹھا ہوا تھا گوشے میں زہراؑ کا نورِ عین
یہ مرکزِ ثبات تھے یہ قلبِ مشرقین
ان کی نظر میں، ہیچ تھا دنیا کا زیب وزین
حاصل تھی ان کو رب سے جو منزل وقار کی
رکھتے نہ تھے یہ دل میں ہوس اقتدار کی

۱۴۱) خط حاکمِ مدینہ کو لکھا یزید نے
خط پاتے ہی گماشتہ بھیجا ولید نے
تصدیق کر دی جا کے یہ اس کے برید نے
کھولا ہے منہ یزید کے ظلمِ شدید نے
شبیرؑ جانتے تھے زمانے کی چال کو
اس کے قدم قدم کے عروج و زوال کو

۱۴۲) یہ چاہتے نہ تھے کہ مدینہ بنے اُحد
نکلے گی ان پہ اب وہ جو اجداد سے تھی کد
اب بڑھ رہا تھا ظلم و تعدّی کا زورو قد
یہ چاہتے تھے کھول دیں شاہی کا قلبِ بد
خواہش یہی کہ عزتِ یثرب بچی رہے
خونِ بشر سے خرمیِ یثرب بچی رہے

۱۴۳) چھوڑا مدینہ جارہے مکّے جو تھا قریب
سب کو لیا تھا ساتھ کہ قُربت رہے نصیب
حاصل کریں گے حج کی سعادت سبھی یہ طیب
دیتا رہے گا بارشِ رحمت، سکوں، منیب
سفیانیت کا حال عیاں تھا حسین پہ
گمراہی وضلال عیاں تھا حسین پہ

۱۴۴) کعبے میں آ رہے تھے مسلسل گروہ شام
تھا حاجیوں کی شکل میں ان کا ہی اژدہام
دولت کی بندگی تھی کہ کعبے کا احترام
شبیرؑ کی نگاہوں میں سارا تھا انتظام
مقصد یہ تھا طواف میں شبیرؑ قتل ہوں
ہر طور سے بقیۂ تطہیر قتل ہوں

۱۴۵) کعبے میں کرتے پھرتے تھے وہ گرگِ شام سیر
جنکے لئے سب ایک تھا کعبہ، کلشت، دیر
عیسیٰ کا دین، دینِ محمدؐ سبھی تھے غیر
پھر کیسے جانتے وہ کہ کیا شر ہے کیا ہے خیر
لالچ تھا سیم و زر کا فقط مدعائے دل
ماں باپ ہی کا خوں تھا فقط اقتضائے دل

۱۳۶) فوراً ہی شاہِ دیں نے کیا ایک فیصلہ
کم تھا ابھی ہجوم گزُعدان شام کا
حج کے عوض مرام عمرہ کئے ادا
مکّے سے نکلے لے چلے کوفے کو قافلا
کوفے کا کام سونپ چکے تھے یہ بھائی کو
مُسلم سے اِک دلیر کو، اپنے فدائی کو

۱۳۷) ہمراہ خاندان کے افراد تھے جو سب
ایسے کہ جیسے تاج میں ہوں نیلم و یشب
یا گردِ ماہ کے ہوں کواکب بصد ادب
سب افضلِ خلائق و سب عمدۂ عرب
تھک تھک کے جن کو عرش سے حوریں تکا کریں
باتوں کو جن کی ذکر کے فرشتے سُنا کریں

۱۴۸) اصحاب جو تھے ساتھ ستاروں کی تھے مثال
سب کے دلوں میں بندگیِ شاہ کا خیال
سعد و ابو ثمامہ و ضرغامہ و ہلال
عابس، بُریر، نافع، اسد سب ملک خصال
فیضِ امام سے تو تھے چہرے یہ زہد کے
لیکن مصافِ زیست میں پیکر تھے جہد کے

۱۴۹) کیا انقلاب خیز ہے عالم کی چال ڈھال
نکلے نبیؐ یہیں سے لئے دل میں کل ملال
پھر دی یہیں خدا نے انہیں فتح بے مثال
اور آج اس نبیؐ کے نواسے کا ہے یہ حال
جاتا ہے دل پہ بوجھ لیے اضطراب کا
مطلق اثر نہیں ہے مگر التجاب کا

۱۵۰) اب سامنے حسینؑ کے تھا اک سفر طویل
جانے کہاں پہ ختم ہو ان کے سفر کا میل
صحرا جہاں نہ پیڑ نہ پانی کی کچھ سبیل
صحرا نہ ہوسکا جہاں انساں کبھی دخیل
کیسا ہی پیش آئے سفر چل کھڑے ہوئے
تھی راہ ہفتخواں پہ مگر چل کھڑے ہوئے

۱۵۱) ہم اُلنبین کے چاروں پسر ہمرہِ حسین
چلتے تھے پیچھے پیچھے کہ جیسے تھی زیب و زین
اور اُن کے بعد بنجِ جملی زبیر قین
سعد و ہلال، پورِ محمدؐ کے دل کے چین
یہ قافلہ رواں تھا امامت کی چھاؤں میں
مشکل کشا کے فیض و کرامت کی چھاؤں میں

۱۵۲) پھر یہ خبر بھی آئی کہ مُسلم ہوئے شہید
اس سے شکستہ ہوگئی کوفے سے ہر اُمید
باقی رہا نہ کوئی بھی اب وعدہ وعید
اب قافلہ تھا شاہ کا اور مرحلہ شدید
اثنائے راہ حُر کا رسالہ بھی مل گیا
آغازِ کارِ دیں کا حوالہ بھی مل گیا

۱۵۳) شبیر کے تھا ساتھ جو چھوٹا سا قافلا
وہ رفتہ رفتہ منزلوں کو جھیلتا رہا
جب بھی یہ قافلہ کسی منزل پہ رُکتا تھا
بھرتا تھا اپنی ساری پکھالیں اسی جگہ
تیئیس روزیوں ہی مسافت میں کٹ گئے
اس راہِ پُر خطر کی صعوبت میں کٹ گئے

۱۵۴) دیکھا یہ شہ نے نرغے کا رسالہ ہے سب نڈھال
گھوڑے سوار پیاس سے سب کا بُرا ہے حال
ہے پیاس سے سبھوں کیلئے زندگی وبال
اکبر سے غم کے بولے کہ اے میرے خوش خصال
ان سب کی تشنگی کو بجھانا بھی فرض ہے
پیاسوں کو بڑھ کے پانی پلانا بھی فرض ہے

۱۵۵) عباسؑ و قاسمؑ و علی اکبرؑ سبھی بڑھے
شبیرؑ کے فدائی دلاور سبھی بڑھے
مسلم حبیب شاہ کے یاور سبھی بڑھے
لے لے کے طشت پانی سے بھر کر سبھی بڑھے
کوشش سبھی کی تشنہ نہ رہ جائے کوئی بھی
گھوڑا، سوار پیاسا نہ رہ جائے کوئی بھی

۱۵۶) مولاؑ کے جاں نثار تھے باندھے ہوئے حصار
پانی کے طشت رکھتے تھے بھر بھر کے بار بار
گھوڑے کھڑے ہوئے تھے جو باندھے ہوئے قطار
آنکھوں سے اُن کی شکر گزاری تھی آشکار
جب سب نے پانی پی لیا مسرور ہو گئے
اظہار شکر کرنے پہ مجبور ہو گئے

۱۵۷) منزل کوئی بھی ہو جہاں رُکتے تھے شاہِ دیں
حُر بھی پڑاؤ کرتا تھا اپنا قریں وہیں
بنتی تھیں جب صفیں عقب سیّدِ حزیں
اور خاک پر صلوٰۃ میں رکھتے تھے سب جبیں
ہوتی تھی یوں نماز امامت میں شاہ کی
کرتا تھا حُر بھی سجدہ اطاعت میں شاہ کی

۱۵۸) حُر ساتھ جو رہا تھا حُسینؑ غریب کے
دھوتا رہا کساؤ وہ اپنے نصیب کے
اتنا رہا قریب جو دیں کے نقیب کے
جیسے ابو ثمامہ و سعد و شبیب کے
وہ راستے پہ دین و دیانت کے لگ گیا
وہ راستے پہ حق و صداقت کے لگ گیا

۱۵۹) شبیرؑ اور آگے بڑھے حُر بھی ساتھ تھا
طے منزلیں ہوئیں کہ یہ سب پہنچے کربلا
دیکھا کہ اک مقام ہے دلدار و دلربا
ہے فیضِ آبِ نہر سے منظر یہ دل کشا
ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں یہ فیضِ آب ہے
اس دشت بے گیاہ میں یہ انتخاب ہے

۱۶۰) اصحابِ شہ نے اونٹوں سے خیمے لئے اتار
آباد کرنا چاہتے تھے سب یہی دیار
چوبوں کو گاڑنے لگے اصحاب جاں نثار
خر دفعتاً یہ بولا کہ خطرہ ہے یہ جوار
ساحل بھرے گا جب پسرِ سعد آئے گا
وہ اپنے ساتھ دشت میں طوفان لائے گا

۱۶۱) عباسؑ چاہتے تھے کہ پانی رہے قریب
شامل تھی اس میں خواہش ضرغامہ و حبیب
لیکن گھرانہ شاہ کا تھا امن کا نقیب
سب چاہتے تھے امن رہے ہر طرح نصیب
فرمایا شہ نے بھائی کے بازو کو تھام کے
پابند ہم نہیں ہیں کسی بھی مقام کے

۱۴۲) القصہ خیمے ہٹ گئے نہرِ فرات سے
تھا اب حصولِ آب بڑی مشکلات سے
گھیرے ہوئے تھی فوجِ شقی کل جہات سے
اُمید کٹ چکی تھی ہر اک بدصفات سے
گھوڑوں کی ہر طرف سے مسلسل زقند تھی
نہرِ فرات سات محرم سے بند تھی

۱۴۳) اب بات تھی تو اتنی کہ کس روز جنگ ہو
اور کب زمین آلِ محمدؐ پہ تنگ ہو
آراستہ ہو فوج اور انساں نہنگ ہو
کب بندوبست تیغ و کمان و خدنگ ہو
ہیجان کب ہو بولہوسی خون میں بپا
جوشِ مبارزت طلبی خون میں بپا

۱۶۴) اب آئی وہ جو آخری شب تھی حسینؑ پہ
وہ رات سب نے یادِ الٰہی میں کی بسر
میثم جو کر رہے تھے حساموں کو بیٹھ کر
وہ بھی خدا کی یاد میں ڈوبے تھے سر بسر
دل میں تھا ہم شہادتِ عظمیٰ کو پائیں گے
ہم سُرخرو رسولؐ کی خدمت میں جائیں گے

۱۶۵) اس شب میں بختِ حُر کا ستارہ بدل گیا
عقرب سے گویا چاند کا چکّر نکل گیا
گرتا ہُوا فرس تھا اچانک سنبھل گیا
ساحل پہ آرہا تھا کہ سیلاب ٹل گیا
حُر کا ستارہ چمکا کہ قسمت قمر ہوئی
دُنیا کی یہ سحر تھی کہ حُر کی سحر ہوئی

۱۶۶) مولا بھی تھے کرکے نمازِ سحر ادا
دیکھا کہ فوج کیں ہے اب آمادہ وغا
تیر آرہے ہیں خیموں کی جانب پئے جفا
مولا نے چاہا حجت آخر کریں ادا
بولے یہ فوج کیں سے کہ کچھ تو حیا کرو
ہم بے خطا ہیں ہم پہ نہ ظلم و جفا کرو

۱۶۷) فرمایا ہم کو تم سے تعرض کوئی نہیں
دے دو جو راستہ تو چلے جائیں ہم کہیں
خوش آمدید ہم کو کہے گی ہر اک زمیں
وہ سندھ کا بلاد ہو یا گلستانِ چیں
تم جانتے ہو آلِ رسولِ زمن ہیں ہم
تم جانتے ہو خاصۂ پنجتن ہیں ہم

۱۶۸) ان باتوں کا جواب بھی کوئی ملا نہیں
باراں تیر کرنے لگے تھکے اہلِ کیں
اک حُر تھا آ گیا سوئے اصحابِ شاہِ دیں
خورسند جن سے ہوئے شاہ کے مُعیں
حُر نے ملی جبیں قدم عرش جاہ سے
تکبیر کی صدائیں اُٹھیں فوجِ شاہ سے

۱۶۹) شبیرؑ تھے حلیم تو کر کے خطا معاف
حُرِّ جری کو کر دیا رُخصت پئے مصاف
بس آج خُلد کیلئے رستہ بھی تھا صاف
عزت یہ کام پائے گا کُل قاف سے تا قاف
حُرِّ جری نے کام کا آغاز کر دیا
جاں دے کے اپنا نام سرافراز کر دیا

۱۷۰) فوجِ شقی سے آنے لگے تیر سوئے شاہ
کی آہ بھر کے شہ نے سوئے آسماں نگاہ
فرمایا میرے حال کا تو ہے خدا گواہ
میں راستی کی راہ پہ ہوں اے مرے الہٰ
آغاز میں نے جنگ کا ہرگز کیا نہیں
جو کچھ کہا ہے میں نے یہ اس کا صلا نہیں

۱۷۱) نکلے جو فوجِ شام سے کچھ جنگجو ادھر
نکلے ادھر سے شاہ کے بھی کچھ نکوسیر
شامی بنے ہوئے تھے جو حد درجہ نامور
لیکن انھیں جو دیکھا تو بجھنے لگی سپر
ردّ و بدل بھی ہونے نہ پائی کہ ڈھے گئے
دو چار ہاتھ کی تھی لڑائی کہ ڈھے گئے

۱۷۲) جب انفرادی جنگ کا دشمن نے دیکھا حال
سمجھا کہ یوں نہ پائیں گے ہم حسبِ دل مآل
اب کیسے جنگ پلٹے یہی دل میں تھا خیال
کچھ ایسے رُخ پہ آئے یہ ہنگامِ جدال
چاہا کہ ایسی تیر کی بارش ہو جنگ میں
نقشہ بدل ہی جائے وہ کاوش ہو جنگ میں

۱۷۳) بارانِ تیر نے کیا اک حشر کا سماں
مولا کی نصف فوج گنوا بیٹھی اپنی جاں
محصور ایستادہ تھے اب بچے درمیاں
مہلت نہ تھی کہ اب کریں اندازۂ زیاں
رکھے ہوئے ہتھیلی پہ جاں تھے مگر سبھی
یہ ورثہ دارِ باغِ جناں تھے مگر سبھی

۱۷۴) ضیغمؑ حملہ ور ہوئے دشمن کی فوج پہ
پیدل سبھی تھے، مرچکے تھے سارے جانور
پھر بھی رفیقِ شہ کے، مسلسل تھے حملہ ور
بد بخت کٹ رہے تھے کہ جیسے کٹیں شجر
کچھ دیر ہی میں شمر و بن سعد ڈر گئے
سمجھے ہماری زیست کے دن آج بھر گئے

۱۷۵) اتنے میں ابن سعد پکارا کہ آگ لاؤ
ضیغمؑ کے خیام کو شعلہ فشاں بناؤ
اس طرح جنگ جیتنے کا کچھ تو ہو سُبھاؤ
جلدی سے فتحیابی کا نقشہ کوئی سجاؤ
ان حیدری جوانوں پہ مشکل ہے فتح ہو
ہاشم کے دودمانوں پہ مشکل ہے فتح ہو

۱۷۶) حمزہ بولے شمر تجھے کیا نہیں حیا
یہ تو کوئی اصول نہیں جنگ لڑنے کا
دشمن کے پاؤں رُک گئے سنتے ہی یہ صدا
اک با حیا جھجھک کے آگے بڑھا اور یہ کہا
مردوں کے ہوتے عورتوں پہ ہاتھ اٹھاؤ گے
یہ بے حیائی کیا ہے کہ خیمے جلاؤ گے

۱۷۷) یہ گفتگو ابھی تھی کہ سورج ذرا ڈھلا
بولے ابو ثمامہ کہ ہے وقت ظہر کا
ہوگی نماز آخری یہ اے شہ ہدیٰ
دل چاہتا ہے آپ کے پیچھے کروں ادا
ہم سب ملیں گے عصر کے ہنگام خلد میں
پائیں گے اس نماز کا انعام خلد میں

۱۷۸) شہ نے ابو ثمامہ کو دل سے لگا لیا
اسکے عقب تھے پہلے ہی سب دوست اقربا
قبلہ کی سمت کرکے ارادہ نماز کا
سب کو نماز کے لئے شہ نے بلا لیا
میدان میں نماز جو پڑھنے لگے حسینؑ
سینہ سپر تھے آگے سعید و زہیر قین

۱۷۹) تیروں کی باڑھ سینے پہ لیتے رہے سعید
اب دشمنوں کی بارشِ سو فار تھی شدید
تیروں سے گھٹتی جا رہی تھی زیست کی امید
لیکن یہ موت آج تھی فردوس کی کلید
کیا مرتبہ بتائیں ہم ایسے شہید کا
مولا نے جھک کے چوم لیا منہ سعید کا

۱۸۰) ابن نمیر بولا یہ ہے کون سا جواز
حاکم کے سامنے جو نہ رکھے سر نیاز
ہو گی قبول رب نہ یہ شبیرؑ کی نماز
کہتے رہیں یہ پیش خدا خود کو سرفراز

ہم لوگ کلمہ گو ہیں اذاں ہم بھی دیتے ہیں
اپنے امیر کے لیے جاں ہم بھی دیتے ہیں

۱۸۱) سنکر یہ لاف ابن مظاہر پڑے جھپٹ
ابن نمیران کی جھپٹ سے گیا پلٹ
بیباکان پائی تو گھوڑا گیا رپٹ
گھوڑے کا اس کے کان تک منھ گیا جو کٹ

قابو میں اب نہ رہ سکا ابن نمیر کے
پٹکا زمیں پہ بوجھ کو اس بے ضمیر کے

۱۸۲) ابن نمیر گر گیا آگے بڑھے حبیب
تھا فوج کا پڑا جو کھڑا سامنے قریب
لہروں کی طرح فوج نے نرغہ کیا عجیب
طوفاں کی طرح فوج میں گھرتا گیا غریب
ایسے میں جو نہ پیچھے ہٹے وہ شجاع ہے
راہ خدا میں موت ہی اس کی متاع ہے

۱۸۳) فوج شقی کے پیچھے تھا اک شور بوق و دف
تھا شور کون آئے گا اب موت کا ہدف
بوڑھے حبیب بانکے جری تھے سربکف
بڑھکر دکھانے آگئے جانبازیٔ سلف
جس سمت بھی وہ تیغ اٹھا کر لپک گئے
اشقی ستائیں جھک گئیں نیزے ٹھٹک گئے

۱۸۴) لیکن کہاں ہزار کہاں ایک تیغ زن
مقصد یہاں فقط تھا شہادت کا پیرہن
ہو سامنے اجل کے جھمکن کہ گل بدن
سب کیلئے یہاں تھی فقط پوششِ کفن
نافع ذرا سی دیر میں خوں میں نہا گئے
زخموں کے پھول اپنے بدن پر کھلا گئے

۱۸۵) مُسلم بن عقیل تھے اور ابن عوسجہ
دو ذی وقار لوگوں کو کوفے میں ساتھ تھا
مسلم کو مرتبہ جو شہادت کا مل گیا
بعد بن عقیل نہ کوفے میں جی لگا
تج کر سبھوں کو آپ چلے آئے کربلا
غازی اک اور آیا دل آرائے کربلا

۱۸۶) نافع کے بعد اب جو مبارز کا شور اٹھا
غازی کے دل میں جاگ اٹھا خوں کا غلغلہ
مولا سے اذن لے کے چلے سوئے اشقیا
گھوڑا نہ تھا تو خود ہی چلے مثلِ بادِ پا
ایماں کا زور تھا کہ اکیلا ڈپٹ پڑا
لاکھوں کی فوج پر یہ سپاہی جھپٹ پڑا

۱۸۷) سربرا اکیلا کوئی بھی ان سے نہ ہوسکا
تب دائیں بائیں سے ہوئے دو حرب آزما
سارا سپاہیوں کا فخر کچھ نہ کرسکا
جو بڑھ کے آیا وار میں چورنگ ہوگیا
آخر کہاں تک ایک تن جنگ لڑ سکے
میدان جنگ گرم ہو اور پھر گڑ سکے

۱۸۸) دو مسلموں کا کوفے میں عابس کا تھا جو ساتھ
تھے یہ بڑے شجاع قبیلے کی نیک ذات
صفین میں علیؑ نے کیں ان پہ ہی مباہات
فرمایا کہ ان جیسی ہوں گر ایک سو ذوات
اسلام ہی کا ڈنکا بجے کل جہان میں
اک تیر بھی بچے نہ بدی کی کمان میں

۱۸۹) مُسلم نے بھیجا تھا انہیں کوفے سے شہ کے پاس
تاکہ رہے نہ کوئی بھی خبروں میں التباس
ان میں نہیں ہے کوئی بھی آقا کا بے قیاس
پہنے ہیں سارے لوگ دغا کا یہاں لباس
یوں شہ کے ساتھ ساتھ وہ مقتل میں آئے تھے
اوروں کی مثل یہ بھی شہ دیں کے سائے تھے

١٩٠) عباس کے ساتھ لڑنے کو اب کس میں تھے حواس
اتنا شجاع کوئی نہ تھا شامیوں کے پاس
تلوار ان کی کرتی تھی جس سمت انعکاس
پیدل، مگر سواروں پہ چھایا ہوا ہراس
لے آئے منجنیق کو جب کچھ نہ بن پڑا
اب عباسِ غریب پہ رنج و محن پڑا

١٩١) عباس پہ پتھروں کی جو بارش ہوئی تمام
زخموں کے پھول سے تھا بدن سارا لالہ فام
اس طرح جھک رہے تھے کہ جیسے کریں سلام
اس حال میں بھی دل میں تھا مولا کا احترام
یوں گھونٹ گھونٹ پی کے شہادت کے جام کو
شہ کے قدم پہ رکھدیا سر احترام کو

۱۹۲) عابس لڑے تھے یوں کہ تھا سب شامیوں کو طیش
ہر شخص زخم خوردہ تھا اگلا کہ پچھلا جیش
شامی کہ بدّوؤں کی کوئی بھیڑ، یا قریش
عابس گرے کہ آگئے سب کو سفید و میش
پہلا شہید تھا یہ کہ سر جس کا کٹ گیا
یہ دیکھکر حسینؑ کا دل جیسے پھٹ گیا

۱۹۳) عابس کے بعد لڑنے چلے حضرت بُریر
ان کی حیات میں نہ تھا کچھ بھی سوائے خیر
قرآن کے یہ قاری تو تھے حُسن میں حبیر
تھے جستجوئے آب میں یہ شاملِ زُہیر
ان کا شمار کوفے کے اُمراء میں ہوتا تھا
مثلِ حبیب زمرۂ فقہا میں ہوتا تھا

۱۹۴) اک شامی کو دکھا کے ستر آگے آگئے
اور شامی فوجیوں کے یہ دل میں سما گئے
اک ساتھ دو جو شامی بڑھے اُن پہ چھا گئے
دونوں کے سر اڑائے تو بس گھائی کھا گئے
اک شامی بڑھ گئے پُشت پہ غازی آگیا
نیزے کا وار پُشت جری پہ لگا گیا

۱۹۵) اس وقت تک تو شاہ کے جانباز تھے سبھی
ایمان کے غنی تھے جو اور بات کے دھنی
کچھ تیغ کھا کے مر گئے کچھ نیزے کی انی
اب بات آئی ہاشمی کنبے کے خون کی
سب ہاشمیات حمزہ و جعفر تھے شیر تھے
سب ورثہ دار تیغ علی تھے دلیر تھے

۱۹۶) مسلم نے تو سفر میں شہادت قبول کی
اب ان کے دونوں لال تھے تلوار تھے دھنی
تیار دونوں سہنے کو تلوار کی کڑی
تھے دونوں قاسم و علی اکبر کے سے جری
تھا ان کے حوصلے کا ستارہ جو اوج پہ
عبداللہ پہلے جا پڑے دشمن کی فوج پہ

۱۹۷) پہلا ہی حملہ ان کا تھا شدت لیے ہوئے
سالار چپ کھڑے تھے لبوں کو سیے ہوئے
کچھ دیر میں تھے گھٹنوں کے پشتے لگے ہوئے
لاشے تھے بے کفن کے جنازے پڑے ہوئے
ایسے ڈھکیلے جاتی تھی تلوار فوج کو
جیسے ڈھکیل دیتا ہے چھوار موج کو

۱۹۸) ناگاہ ایک حبشی لیے نیزہ آگیا
اس کو جو اپنے نیزے چلانے پہ ناز تھا
غازی کے سر کو اس نے نشانے پہ رکھ لیا
فطرت کا تقاضا تھا کہ ہاتھ ان کا اٹھ گیا
نیزے نے ہاتھ ماتھے کے آگے ہی دھر لیا
اور اپنا کام نیزۂ ظالم نے کر لیا

۱۹۹) بھائی گرا تو بڑھ کے محمدؐ نے جست کی
حبشی کی اس سے مرگئی طاقت رہی سہی
بھاگا وہ نیزہ چھوڑ کے ہمت جو گھٹ گئی
لیکن کہاں وہ جاتا کہ تھی جست شیر کی
اس کو پلک جھپکتے محمدؐ نے جالیا
پھر بس ایک وار لگا کر گرا لیا

۲۰۰) کتنے ہی کوفی مار دیئے اس دلیر نے
جب کچھ نہ بن پڑی تو وہ کوفی اُلجھ پڑے
یہ ایک، وار دو، یہ کہاں تک رہیں بچے
آخر شہید ہوگئے اک ضربِ تیغ سے
جو سر پہ ماں کی دھوپ میں بنتے تھے چھاؤں لال
شہ پر نثار ہوگئے مُسلم کے دونوں لال

۲۰۱) اب جنگ کرنے آگئے جعفر بن عقیل
انداز جنگ ان کا تھا میداں میں بے عدیل
کتنے مرے اگرچہ لڑائی نہ تھی طویل
ایسوں کو مارا جنکو سمجھتے تھے سب جلیل
اتنی زیادہ شامیوں کی لاشیں گر گئیں
حملوں سے اُنکے اگلی صفیں بڑھ کے پھر گئیں

٢٠٢) تلوار کاٹے جاتی تھی جو پے بہ پے خدنگ
عاجز ہوئے تھے شام کے سب شکرہ و نہنگ
آخر کہاں تک آپ دکھاتے کمالِ جنگ
اور پیاس نے کیا تھا انہیں اور بھی جو تنگ
یہ پیاس کی چبھن تھی جو تالو میں لگتی تھی
ہونٹوں کے ساتھ ساتھ زباں بھی سلگتی تھی

٢٠٣) بالآخر ایک شامی نے ان کو کیا شہید
ماری اک ان پہ ضرب جو تھی اس قدر شدید
اس ایک ضرب ہی نے کیا ان کا سر بُرید
تلواران کی مختصف گئی صدمہ یہ تھا مزید
باقی رہے حواس نہ اوسان گر گئے
تپتی ہوا کے ریگِ گرم پہ بے جان گر گئے

۲۰۴) آگے بڑھا عقیل کا فرزند دوسرا
تلوار ان کی چاٹ رہی تھی لہو نیا
صفین میں پیا تھا لہو شام والوں کا
اب چکھ رہی تھی کوفیوں کے خوں کا ذائقہ
یہ دوبدو نہ تھی یہ لڑائی غضب کی تھی
بدلی سیاہ شام کی چھائی غضب کی تھی

۲۰۵) یلغار آخر ہونے لگی اس قدر شدید
نرغے سے ان کے تیغ زنی رک گئی مزید
باقی رہی نہ جنگ و جدل کی کوئی امید
اب تھی تو ان کے واسطے بس خلد کی نوید
دو طرفہ اب جو وار کا خط کے مل گیا
سر پہ پڑی وہ ضرب کہ دو ہو کے کھل گیا

۲۰۶) اب آیا بیٹا تیسرا لیکر وہ تیغ تیز
جو ڈھونڈتی تھی صبح سے اک موقع ستیز
کہتی تھی آج کر نہیں سکتا کوئی گریز
تلوار تھی دلیر کی یا تھی برق ریز
افعی کی طرح بڑھکے سمت آتی تھی زن سے
دو چار کے سر لے کے پلٹ آتی تھی زن سے

۲۰۷) آخر ہوئے وہ حملے کے خوں میں نہا گئے
اپنے لہو کو ریگ زمیں میں ملا گئے
آقا کو دی صدا کہ بہشت ہم تو پا گئے
میرے سرہانے مولا علی لینے آ گئے
یہ کہتے کہتے بجھ گیا شعلہ حیات کا
رخ پہ مگر سکوں رہا حق پر ثبات کا

۲۰۸) موسیٰ بن عقیل بڑھے لیے تیغ تیز
رکھتے تھے یہ بھی عزم کمل بے ستیز
حملے تھے ان کے تیز تو تلوار برق ریز
جو سامنے آتا تھا نہ کر پاتا تھا گریز
ستر سے بھی زیادہ کیا دشمنوں کو قتل
قلب سیاہ رکھتے تھے جو ان سبھوں کو قتل

۲۰۹) تلوار چل رہی تھی مگر زخم کھاتے تھے
پڑتی تھی جو کڑی اُسے ہنس کر اٹھاتے تھے
تیروں کی باڑھ ہو تو اُسے کاٹ جاتے تھے
جو بھاگتا تھا اس کو لپک کر گراتے تھے
یہ سب تو ہو رہا تھا مگر بڑھ رہے تھے زخم
زخموں پہ صبر تھا تو مگر چڑھ رہے تھے زخم

۳۱۰) آخر پکارے شاہ کو گرتے ہی خاک پر
گرنے کے بعد بھی نہ کی دشمن نے درگزر
تلوار تیر رُک گئے چلتے رہے تبر
عباسؑ بڑھے تھکے معلوم ہے مگر
مژدہ دیا بہشت کا بڑھ کر حسینؑ نے
مونس کا بڑھ کے چوم لیا سر حسینؑ نے

۳۱۱) مونس کے بعد عون بڑھے سوئے کارزار
یہ گلشنِ جمیل کی تھے آخری بہار
حملوں سے ان کے پڑ گئی ہلچل پھر ایک بار
جوہر دکھائے جاتے تھی یوں تیغ آبدار
بھگدڑ تھی اتنی گھوڑوں سے کتنے کچل گئے
جب چھوڑیں نہ ساتھ تو ہاتھوں کے بل گئے

۴۲) یہ کر رہے تھے تیغ زنی اس قدر شدید
بچوں کی کٹتی جاتی تھی جو زیست کی اُمید
پھر مل گئی بہشت بریں کی انہیں نوید
اور اپنے بھائیوں کی طرح ہو گئے شہید
میت پہ جاکے شہ نے گلے سے لگا لیا
دیدارِ جد کا آپ نے مژدہ سنا دیا

۴۳) جب عون کا بھی کٹ گیا جنگاہ میں نہال
آئے نبیرگانِ عقیل اب پئے قتال
حاصل جو جنگ جوئی میں تھا ان کو بھی کمال
ان سب نے بھی قتال کیا رن میں بے مثال
لیکن سبھوں کو دشت میں جاں سے گزرنا تھا
لیکن سبھوں کو شاہ کے قدموں میں مرنا تھا

۲۱۴) مسلم بن عقیل کے بیٹے ہوئے قتیل
تھے اک سے اک عظیم بھی اک سے اک جلیل
زینب کے لال مر گئے جنکا نہ تھا مثیل
وہ بھی مرے کہ جنکی تھیں عمریں ابھی قلیل
اس کارگاہِ جنگ میں سب کام کر گئے
جتنیں تھیں جنکے قد سے بڑی وہ بھی مر گئے

۲۱۵) فرزند پانچ حضرتِ شبّرؑ کے بھی چلے
پانچوں نے باری باری دکھائے وہ جھپٹے
دشمن کی بھیڑ چھٹ گئی یہ اتنے تیز تھے
طاقت گھٹی سبھوں کی کہ سب پست ہو گئے
آخر سبھوں نے جام شہادت کے پی لیے
اک چالِ حسنؑ تھے کہ مر کر بھی جی لیے

۲۱۶) پھر پانچ بھائی حضرتِ عباسؑ کے لڑے
یہ باری باری جاتے رہے اور مرگئے
ان لوگوں نے اجاڑ دیئے قلب میسرے
میدان میں تھی موت مگر سب ہی کے لئے
بازار موت کا جو رہا گرم اس طرح
تھا دور قتلِ عام کا ہو گرم جس طرح

۲۱۷) مقصود تھا تحفظِ تعلیمِ احمدی
ورنہ یہ جنگ ملک و شہی کے لئے نہ تھی
بھائی بھتیجے بھانجے اور موت کی گلی
سب جارہے تھے رن کو بلا پاسِ ہمسری
شبیرؑ کو تو دینِ محمدؐ کا پاس تھا
ان کے بدن پہ زہد و ورع کا لباس تھا

۲۱۸) رن کو سدھارے حضرتِ عباسؑ نامدار
یہ ہاشمی گھرانے میں تھے وجہِ افتخار
تھا حرب و ضرب فن کا انہی پہ جو انحصار
طاقت میں بھی یہ رکھتے تھے اک گونہ اقتدار
طاقت ہی کیا یہ فرد تھے علم و عمل میں بھی
تھے مقتدر تمام قبائل ملل میں بھی

۲۱۹) لیکن انہیں اجازتِ جنگ و جدل نہ تھی
تحصیل آپ کی تھی اجازت امام کی
دشمن کے ذہن و دل میں فقط تھی تو اہلی
انسانیت کا ذکر نہیں بس درندگی
دیکھا جو ان کو در سے نکلتے سنبھل گئے
پیدل بنے سواروں کے نقشے بدل گئے

۲۲۰) عباسؑ کو ملا جو نہ تھا حکم جنگ کا
مقصد نہ تھا امام کا کچھ جنگ جیتنا
ظاہر یہ کرنا چاہتے تھے اپنا مدعا
اک فاسق و فاجر کی جو بیعت نہ تھی کرنا
بیعت ہی تھی وہ شئی کہ اگر مانتے حسینؑ
گویا بجا یزید کو گردانتے حسینؑ

۲۲۱) عباسؑ پہنچے نہر پہ فوجیں دھکیلتے
تلوار نیام میں رہی حملے نہیں کیے
پانی کو پہلے دیر تلک دیکھتے رہے
مشکیزہ بھر کے جیسے گئے ویسے ہی پھرے
چلّو میں پانی بھر تو لیا تھا پیا نہیں
دشمن تھے چار سمت پہ کچھ بھی کیا نہیں

۲۳۲) واپس ہوئے تو چلے ہوئے چار سمت سے
پہلے تو مشک چھد گئی پھر بازو کٹ گئے
سر پہ جو ایک گرز لگا کچھ نہ کر سکے
ٹھنڈا ہُوا زمیں پہ علم آپ بھی گرے
میداں سے انکی لاش نہ خیمے میں آئی تھی
قبضے میں ان کے آج ہے کل بھی ترائی تھی

۲۳۳) اکبر سدھارے لے کے رضا سوئے کارزار
حملوں نے انکے گرم کیا دشتِ گیرودار
تھا سب کے اردگرد وہ رہوار کا حصار
دشمن کی سانسیں رُک گئیں اتنا اُڑا غبار
اکبر گرے فرس سے تو تلواریں رُک گئیں
ہٹ ہٹ بڑھتے رہنے کی یلغاریں رُک گئیں

۲۲۴) آمد اب ایک ننھے مجاہد کی رن میں تھی
اک کلی تھی جو ابھی شاخِ چمن میں تھی
خوشبو تھی ایسی جو ابھی مشکِ ختن میں تھی
ایسی دمک تھی ہیرا بھی جو کرن میں تھی
بچّہ تھا ایک گود میں عالی مقام کی
یا چاند تھا چھپا ہوا بدلی میں شام کی

۲۲۵) تیار اس کے واسطے تھا حرملہ شریر
گردن کو تا کا طفل کے اور مارا ایک تیر
آغوش میں پدر کی ہدف ہوگیا صغیر
گردن کے ساتھ چھد گیا دستِ شہ شبیر
بھائی بھتیجا بھانجا ہراک جُدا ہوا
فدیہ یہ آخری تھا جو پیشِ خدا ہوا

۲۳۶) اب اس کے بعد رہ گئے تنہا شہ شہاں
وہ جانتے تھے اب نہیں زندہ کوئی یہاں
سب جان دے کے ہو گئے ہیں راہیِ جناں
کوثر پہ سب ہیں احمد و حیدرؑ کے میہماں
آواز پھر بھی دی کہ کوئی ہے مدد کرے
خواہش یہ کیسی تھی کہ کوئی ہے مدد کرے

۲۳۷) یہ خواہشِ مدد ہے فقط کربلا کا نام
مدغم اس ایک لفظ میں ہے کربلا تمام
ہم کربلا میں ہیں جو ہے خواہش کا احترام
ہوتا تمام کاش ہمارا وہیں پہ کام
دن رات صرف کرتے ہیں ماتم میں شاہ کی
یہ خواہشِ مدد ہے جو صورت ہے آہ کی

۲۲۸) اس خواہشِ مدد کو کوئی کم نہ کرسکا
شاہوں کی داستانوں میں مدغم نہ کرسکا
روداد کے حوالوں سے بھی ختم نہ کرسکا
شاعر کی لن ترانیوں میں ضم نہ کرسکا
یہ کربلا ہے وقت نے دہرایا ہے اسے
میثم نے اور وقت کی چمکایا ہے اسے

۲۲۹) یہ تعزیے علم یہ ضریحیں امام کی
یہ یادگاریں ہیں اسی ذوالاحترام کی
ہم مجلسیں جو کرتے ہیں اس اہتمام کی
منبر سے بھی صدا ہے اسی احتشام کی
ماتم اسی صدا کے تسلسل کا نام ہے
ہر بارگاہ اس کے تجمل کا نام ہے

۲۳۰) محفوظ دل میں مثل امانت ہے کربلا
قلب و نظر میں دین و دیانت ہے کربلا
ذہنوں میں علمِ حق و صداقت ہے کربلا
یہ مرثیوں کا باغ فصاحت ہے کربلا
آنسو کھلا رہے ہیں گلستانِ کربلا
اثبار یہ ادب کا ہے احسان کربلا

۲۳۱) ہم آج کربلا میں ہیں ہم میں ہے کربلا
ان سرخ سرخ آنکھوں کے نم میں ہے کربلا
سینوں سے اٹھتی موجۂ غم میں ہے کربلا
آنکھوں سے پھوٹتی ہوئی یم میں ہے کربلا
زندہ رہے گی کرب و بلائیں ہمارے بعد
جاری رہے گا آنکھوں سے جیحوں ہمارے بعد

۲۳۲) مل من کے بعد کھینچ لی مولا نے ذوالفقار
اب شاہِ دین کی تیغ تھی اور فوج نابکار
پہلی جھپٹ میں ٹوٹ گیا گرد کا حصار
حملوں سے مل رہا تھا جو میدانِ کارزار
شیر حملہ ور تھے یمین و یسار پر
یا برق گر رہی تھی صفِ کارزار پر

۲۳۳) بن بن کے ٹوٹتا تھا اُمنڈ تا ہُوا حصار
فوجیں چھپی تھیں خاک میں اتنا اُڑا غبار
حملے تھے ایسے خوں میں نہاتی تھی ذوالفقار
کہنی سے بہ رہی تھی مُسلسل لہو کی دھار
آواز دے رہے تھے کہ عباس دیکھ لو
یہ جنگ اور غریب کی یہ پیاس دیکھ لو

۲۳۴) حملوں کے بعد رُک گئی مولا کی ذوالفقار
چاروں طرف اُمنڈ نے لگی فوج نابکار
فوجیں قریب آگئیں گھٹنے لگا حصار
شمشیر اب اُٹھانے لگے خامشی سے وار
دشوار جب ٹھہرنا ہُوا پشتِ زین پر
گھوڑے نے جھک کے خود ہی اُتارا زمین پر

۲۳۵) اب شمر آیا کھینچ کے خنجر سوئے حسینؑ
وہ ظلم تھا کہ جلنے لگے جس سے مشرقین
برپا ہُوا حسینؑ کے خیمے میں شور و شین
کچھ دیر ہی میں لُٹ گیا زینبؑ کے دل کا چین
سر لے گیا جو شمر بڑے فخر و ناز سے
سُرخی لہو کی اُمڈی نشیب و فراز سے

۲۳۶) لوٹا گیا اثاثہ جو آلِ رسولؐ کا
گویا یہ سب تھا مالِ غنیمت جہول کا
بھر آگ لے کے پہنچے یہ مقصد تھا غول کا
باقی بچے نہ کچھ بھی اثاثہ بتولؑ کا
شہ جانتے تھے جو بھی ہوا، ہوگا سب یہی
سہنا پڑے گا آل کو رنج و تعب یہی

۲۳۷) سب کچھ ہُوا پہ آل کا مقصد نہیں مٹا
شانوں پہ وقت کے ہے رواں اب بھی کربلا
سب جانتے ہیں آج شہادت کا ماجرا
شبیرؑ نے تو جان دی لیکن وہ قافلہ
جو کربلا سے کوفہ گیا شام تک گیا
رودادِ غم سُنا تا ہُوا شام تک گیا

۲۳۸) اب کون جانتا نہیں اس کربلا کا نام
جس کربلا میں ہوگیا آفت کا اختتام
شبیرؑ کی شہادت و تاراجیِ خیام
ظلم و ستم یزید کا اور اس کا اختتام
خط کھنچ گیا تھا عدل و تظلّم کے درمیاں
قلِ مَن کے بعد صبر و ظلم کے درمیاں

۲۳۹) اب صاحب عزا کی بھی کائنات ہے
مصروف جو بکا میں ہے اس کی حیات ہے
وہ ساتھ شاہ کے ہے جو سینے پہ ہاتھ ہے
جو نام لیوا اُن کا ہے اب اُنکے ساتھ ہے
کب اپنی جان آنسوؤں میں کھو رہے ہیں ہم
قلِ مَن کا یہ جواب ہے جو رو رہے ہیں ہم

۲۳۰) کوئی رکا نہیں ہے کہیں بھی وہ سلسلہ
جو سلسلہ ہدایت انسان کا چلا
وہ سلسلہ، ہیں جسکی براہیم ابتدا
اس سلسلے کی کرتے ہیں شبیرؑ انتہا
شبیرؑ دے گئے ہیں جو پیغام امن کا
ہے آج بھی زباں پہ وہی نام امن کا

تصریحات

بند نمبر

۳۳ بدھ مت کے پہنچنے سے پہلے یہ مذہب میں چین میں رائج تھا اب بھی کہیں کہیں شنٹوئیت Shantooism اقلیت میں موجود ہے۔ یا بدھ مت اور شنٹوئیت آپس میں مل گئے ہیں اور دونوں فرقے رائج ہیں۔ شنٹو مذہب میں بھی صرف خدا کا تصور ہے، اصنامِ خدا کا نہیں۔

۳۵ قران = بحیرہ خزر دار کے مغربی کنارے کا علاقہ

۳۹ زرتشت (Zorathustra or Lord Zoroaster)

۴۱ ژند۔ اس کتاب کو اب Avista کہتے ہیں۔ اس مذہب کی دوسری کتاب Gath یعنی گیت ہے۔ اس میں زرتشت اور خدا کے درمیان مکالمہ ہے اور اس طرح دین کی باتوں کی تشریح کی گئی ہے۔ Avista کی زبان میں رگ وید ہے جو ہندوؤں کی پہلی مقدس کتاب ہے۔

۴۶ آتما، ول روح یعنی خدا کا جز، عنصر ہر شے میں موجود ہے اور خدا (خود آ) ہے

۷۰ مُنی بمعنی زاہد

۹۶ نشور = مردے کا قیامت کے دن اُٹھنا

۹۷ گلشن = Gushan یہ لفظ انگریزی میں گوشن لکھا جاتا ہے۔ قبطی۔ مصر کے

بند نمبر

۱۰۷ Neru (نیرو) رومن ایمپائر کا شہنشاہ جس نے روم کو خود جلوا دیا تھا اور عیسائیوں پر اس آتش زدگی کا الزام رکھکر انھیں بے دریغ قتل کرایا تھا۔ (نیرو ۳۷۔۶۸ء)

۱۰۹ جولیس سیزر (Julius Ceasar) اٹلی (رومن ایمپائر) کا آخری آمر جس نے افریقہ کا بالائی حصہ فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس کی زندگی تقریباً ۱۰۰ تا ۴۴ قبل مسیح تھی

۱۱۰ اُسقف = پادری، اُسقفِ اعظم = پوپ (پاپائے روم)

۱۱۱ مائیکل انجیلو = Michelangelo اٹلی کا مجسمہ ساز، جس کا بنایا ہوا حضرت داؤدؑ کا مجسمہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔

لیونارڈو ڈی ونچی =Leonardo Da Vinci جسکی بنائی ہوئی مونا لیزا کی تصویر سے دنیا واقف ہے۔

کلیسا = Church(چرچ)

کنیسۂ اُسقف = Cathedral جہاں پوپ کی نشست ہوتی ہے۔

Last Supper = آخری دعوت اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ قید ہوئے اور انھیں سولی دے دی گئی (اللہ نے انھیں آسمان پر اٹھالیا)

Mary Magdalene = مریم مگدے لینی = حضرت عیسیٰؑ نے اس کو بدروح سے نجات دلائی تھی اس کو ڈی ونچی نے حضرت عیسیٰ کی بیوی کہا ہے۔

بند نمبر

۱۲۰ Pompeii = یہ شہر اٹلی میں سات سو سال قبل مسیح آباد ہوا تھا۔ ۲۴ اگست ۷۹ء کو اس شہر سے پانچ میل دور ایک آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا۔ اس کے لاوا اور اس کی راکھ نے اس شہر کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔ بیس ہزار نفوس کی آبادی میں سے بمشکل اٹھارہ سو آدمی بھاگ سکے باقی دب کر رہ گئے یہ قیامت دو دن برپا رہی۔ اب تقریباً دو سو سال قبل اس شہر کو کھدائی کر کے برآمد کیا گیا ہے۔ جسے سیاح دیکھنے جاتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں (یہاں سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ ہم جنسی کو برائی نہیں سمجھتے تھے)۔

۱۴۱ ولید بن عتبہ = حاکم مدینہ
برید = قاصد (عربی)

۱۴۸ Synagouge سینے گاگ = یہودیوں کی عبادت گاہ

۲ سینٹ پال نے دمشق میں دینِ عیسوی قبول کیا تھا اور یہ عیسائیت کا سب سے بڑا مبلغ ثابت ہوا۔ ۳ مراد یزید

۱۸۲ ابنِ نمیر = حصین ابنِ نمیر، حضرت علی اصغر کا قاتل

۲۰۴ عقیل کا فرزند دوسرا = عبدالرحمان بن عقیل

۲۳۶ جیحوں = بلخ کے پاس بہنے والے ایک دریا کا نام

✿✿✿